شاتم کی سزا کے حوالے سے پیدا کردہ تشکیک کا ازالہ

شاتم کی سزا

اور

مصلحتوں کا لحاظ

تالیف

علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری

ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ لاہور

مکتبہ کرمیہ

K بلاک (99) جوہر ٹاؤن لاہور

شاتم کی سزا کے حوالے سے پیدا کردہ تشکیک کا ازالہ

شاتم کی سزا اور مصلحتوں کا لحاظ

تالیف

علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری

مکتبہ کریمیہ

(99)k بلاک جوہر ٹاؤن لاہور

نام کتاب	شاتم کی سزا اور مصلحتوں کا لحاظ
تالیف	علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری
پروف ریڈنگ	علامہ محمد اللہ بخش تونسوی قادری
حروف سازی	محمد عمران عنصر
ناشر	مکتبہ کریمیہ لاہور
اشاعت (بار اول)	2019ء
تعداد	1100
قیمت	300روپے

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ اہلِ سنت جامعہ نظامیہ لاہور ☆ مکتبہ والضحیٰ پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ نبویہ دربار مارکیٹ لاہور ☆ چشتی کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور ☆ سیالوی کتب خانہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ کرماں والا دربار مارکیٹ لاہور ☆ مکتبہ ریاض الجنۃ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور ☆ النوریہ الرضویہ پبلشنگ دربار مارکیٹ لاہور

انتساب

بندہ اپنی اس ادنی سی کاوش کو شیخین کریمین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ منسوب کرتا ہے جن کے حصے میں متعدد فضائل ومناقب اور خصائص کے ساتھ ساتھ یہ سعادت بھی آئی کہ اللہ رب العزت نے ان کا شمار ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولین محافظوں میں فرمایا اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ان بلند پایہ ہستیوں کی توجہات کے تصدق سے اس فقیر کو شرح صدر اور بصیرت سے نوازے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

طالب دعا

محمد خلیل الرحمٰن قادری

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

مقدمہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے گستاخوں کو سزا بھی دی اور بعضوں کو معاف بھی فرمایا۔ جن کو معافی ملی وہ دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جنہوں نے اپنے کیے پر نادم و شرمندہ ہو کر معافی مانگی اور حضور ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا جیسے عبداللہ ابن ابی سرح وغیرھم۔ دوسرے وہ ہیں جنہوں نے نہ اقرار جرم کیا اور نہ ہی معافی مانگی لیکن حضور ﷺ نے بعض حکمتوں کے پیش نظر ان سے تعرض نہ فرمایا اور انہیں معاف فرما دیا جیسے عبداللہ ابن ابی وغیرھم۔

اہل علم کہتے ہیں کہ جن حکمتوں کی بنا پر حضور ﷺ نے اپنی گستاخی کرنے والوں کو معاف کیا وہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھیں اور یہ حضور ﷺ کا اختیار تھا کہ وہ اپنی توہین کو معاف فرماتے یا سزا دیتے۔ اب اُمت کو نہ تو شاتم رسول کو معاف کرنے کا اختیار ہے اور نہ ہی وہ حکمتیں موجود ہیں مثلاً بعض شاتمین کو آپ نے اس لئے معاف کر دیا کہ اس طرح لوگ یہ باتیں کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کروا دیتے ہیں وغیرہ۔ اب اس حکمت کا لحاظ رکھنا امت کیلئے ضروری

نہیں اور نہ ہی یہ امت کا اختیار ہے کہ وہ کسی بھی حکمت کی بناء پر حضور ﷺ کے شاتمین کو معاف کر سکے۔ یہ موقف شیخ ابن قیم، شیخ ابن تیمیہ، امام سبکی اور دیگر اہل علم کا ہے جسے علماء امت نے پذیرائی دی۔ لیکن ہمارے متجددین اس موقف کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ جمہور ائمہ مجتہدین تو ویسے ہی شاتم کی توبہ کی قبولیت کے قائل نہیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کا موقف بھی اُمت کیلئے یہی ہے کہ وہ گستاخ رسول کی توبہ قبول کئے بغیر اسے بہر حال سزا دے۔ شوافع اور احناف سے دونوں موقف منقول ہیں۔ ایک یہ کہ گستاخ کی توبہ مقبول نہیں ہے اور دوسرا موقف اس کے برعکس یہ کہ اس کی توبہ مقبول ہے لیکن یہ دوسرا موقف رکھنے والے بھی کسی حکمت کا لحاظ کرتے ہوئے شاتم رسول کو معاف کرنے کا موقف نہیں رکھتے بلکہ ان کے اس موقف کی بنیاد یہ ہے کہ وہ شاتم کو عام مرتد سمجھتے ہیں۔ لہذا جو گستاخ اس ارتداد سے توبہ کرلے اسے ان کے نزدیک معاف کیا جائے گا۔ گویا جن حکمتوں کی بناء پر حضور ﷺ نے بعض شاتمین کو معاف فرمایا پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کا لحاظ کرنا حضور ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ سے خاص تھا اور اب امت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان حکمتوں کا لحاظ کرتے ہوئے معافی دے سکے۔

متجددین صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ ان حکمتوں کے علاوہ بھی نئی نئی حکمتیں تراش لیتے ہیں جنہیں حضور ﷺ نے مختلف روایات میں اپنی زبان

اقدس سے بیان فرمایا اور ان کا لحاظ رکھا۔ بظاہر یہ حکمتیں انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعض واقعات سے مستنبط کی ہیں لیکن ان استنباطات میں متعدد جھول ہیں بلکہ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے ان واقعات کو صرف ایک آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور یوں متوازی اور خود ساختہ حکمتوں کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اگر دقتِ نظر سے ان کی وضع کردہ حکمتوں کو دیکھا جائے تو ان کے استنباطات کا تارو پود بکھر جاتا ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ زیرِ نظر کتاب میں ان کے استنباطات میں پنہاں کمزوریوں کو دلائل کے ساتھ سامنے لاسکیں۔ ہم اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہو سکے ہیں اس کا فیصلہ منصف المزاج قارئین پر چھوڑتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ٹوٹی پھوٹی خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ یہ فقیر محقق عصر مفتی محمد خان قادری مدظلہ العالی کا ممنون و متشکر ہے جنہوں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہچانے کیلئے مشفقانہ سرپرستی سے نوازا۔ یہ فقیر علامہ محمد اللہ بخش تونسوی قادری کا بھی شکر گذار ہے جنہوں نے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

طالب دعا

محمد خلیل الرحمٰن قادری

حافظ علامہ ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر نے اپنی تالیف ''توہین رسالت کا مسئلہ'' میں ''حکمت و مصلحت کے چند اہم پہلو'' کے عنوان سے ایک تفصیلی باب رقم کیا، جس میں انہوں نے بعض واقعات کا تذکرہ کیا ہے جن سے انہوں نے یہ ثابت کرنے پر زور قلم صرف کر دیا کہ بعض حکمتوں اور مصلحتوں کا لحاظ کرتے ہوئے خود حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شتم رسول ﷺ کا ارتکاب کرنے والوں سے نرمی کا معاملہ اختیار فرمایا۔ اُصولی طور پر تو ان تمام باتوں کا جواب وہی ہے جو اہل علم نے دیا ہے کہ حضور ﷺ کو اختیار تھا کہ وہ اپنے شاتم کو معاف کریں یا سزا دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سزا بھی دی اور بعض کو معاف بھی کیا۔ حضور ﷺ کے بعد اُمت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شاتم رسول کو معاف کرے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف سمیت جمہور فقہاء ایسے ملعون کو لازماً قتل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جہاں تک موصوف کی طرف سے بیان کردہ مصلحتوں اور حکمتوں کا تعلق ہے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کسی حکمت کی بنا پر اپنے کسی شاتم کو معاف کر دیا تو اس میں زیادہ قابل غور پہلو وہ حکمت نہیں بلکہ حضور ﷺ کا وہ اختیار ہے جس کے تحت ایسے ملعونین کو معاف

کیا گیا۔ لہذا اگر بفرض محال ہمیں اپنی کم فہمی کے سبب حضور ﷺ کی طرف سے کسی شاتم کو معاف کرنے میں بظاہر کوئی حکمت نہ بھی نظر آئے تو بھی ہم تسلیم کریں گے کہ حضور ﷺ نے جو بھی فیصلہ فرمایا وہ درست تھا، کیونکہ حضور ﷺ کو اسے معاف کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ یہ بات بالکل نامناسب معلوم ہوتی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے اس اختیار کو پسِ پشت ڈال دیں اور ان حکمتوں اور مصلحتوں کو اُجاگر کرنے لگ جائیں جن کی وجہ سے اصلاً معافی نہیں دی گئی۔

حضور ﷺ نے جن گستاخوں کو معافی دی اس کا اصلاً سبب یہی تھا کہ حضور ﷺ کو یہ معافی عطا کرنے کا اختیار تھا، اگرچہ اختیار استعمال کرتے وقت حضور ﷺ نے بعض حکمتوں اور مصلحتوں کا لحاظ بھی فرمایا۔ یہ بات واضح ہے کہ آپ کے معافی عطا کرنے میں جو بھی حکمت اور مصلحت تھی اس کی وضاحت حضور ﷺ نے خود فرمادی، لیکن معافی عطا بہر حال اس لیے ہوئی کہ آپ کو اس کا اختیار تھا۔ آج اُمت کے سامنے ایسے ملعون کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کے حوالے سے بے شک متعدد حکمتیں اور مصلحتیں ہوں لیکن جب اسے اختیار ہی حاصل نہیں تو وہ کیونکر ایسے ملعون کو معاف کر سکتی ہے؟

یہی وجہ ہے کہ شوافع یا احناف کے جن قلیل فقہاء نے گستاخ ذمی یا مسلمان کی توبہ قبول کرنے کی بات بھی کی ہے اس کا جواز انہوں نے کسی حکمت یا مصلحت کو نہیں بنایا بلکہ دلائل شریعہ کو بنایا ہے۔ جیسے وہ ذمی کو اس لیے رعایت کا مستحق سمجھتے ہیں

کہ گستاخی رسول ﷺ سے ان کے نزدیک اس کا عہد نہیں ٹوٹتا اور اس بنا پر وہ مباح الدم قرار نہیں پاتا۔اس طرح چند فقہاء گستاخ مسلمان پر عام مرتد کا حکم لگاتے ہیں وہ اس کی توبہ اور تجدید اسلام کو سقوط حد کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ جمہور فقہاء بشمول فقہاء احناف اور چند فقہاء احناف کے مابین اس مسئلہ پر واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض متقدمین احناف اور کثیر متاخرین نے مسلمان شاتم کو مرتد عام نہیں بلکہ مرتد خاص قرار دیا ہے جو ان کے نزدیک زندیق کی طرح ہے وہ اس کی توبہ قبول نہ کرنے کا مؤقف رکھتے ہیں جبکہ جمہور فقہاء اس سزا کو ایک مستقل حد قرار دیتے ہیں جو توبہ سے نہیں ٹلتی۔اسی طرح ذمی شاتم کے بارے میں بھی ان کے مابین اختلاف یہ ہے کہ جب ذمی سب وشتم کا مرتکب ہو تو اس کا عقد ذمہ قائم رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔یہ بحث ہماری زیر طبع تصنیف ''شاتم کی سزا اور احناف کا مؤقف'' میں بالتفصیل موجود ہے۔

آج تک شاید ہی کوئی ایسا عالم گزرا ہو جس نے موصوف کی طرف سے بیان کردہ حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر شاتم کے ساتھ نرمی کرنے کی بات کی ہو، البتہ اس کے برعکس فقہاء کے ایسے اقوال موجود ہیں کہ انہوں نے شاتم رسول ﷺ کو سزا دینے کے لیے دنیاوی مصلحتوں کو قربان کرنے کا حکم دیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ علم الہدیٰ کی تصریح:

وحكمه فی الشريعة المطهرة عند	متاخرین مجتہدین کے نزدیک بالاجماع
متاخری المجتهدين اجماعاً وعند	اور اکثر متقدمین کے نزدیک شریعت
اكثر المتقدمين القتل قطعاً ولا	میں اس کا حکم قتل ہے، بادشاہ یا اس
يداهن السلطان او نائبه فی حكم	کا نائب اس گستاخ کے قتل میں
قتله وان فات فی قتله وانعدامه	مداہنت سے کام نہ لیں اگرچہ اس
المصالح الدنيوية كقتل القضاة	گستاخ کو قتل کرنے کی صورت میں
والولاة والعمال	بہت سے دنیاوی مصالح بھی فوت
(فتاویٰ حسب المفتيين:۲_۳۳۶)	ہو جائیں جیسا کہ قاضیوں، والیوں اور
	سرکاری اہلکاروں کا قتل ہے۔

اب ہم موصوف کی بیان کردہ حکمتوں کا قدرے تفصیل کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔

اجڈ اور تربیت سے محروم افراد کی رعایت

اس عنوان کے تحت موصوف نے لکھا ہے:

کتب حدیث میں بعض ایسے واقعات روایت ہوئے ہیں جن میں اجڈ، غیر تربیت یافتہ اور گنوار قسم کے افراد نے نبی ﷺ کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کیا، لیکن آپ نے ان کے گنوارپن کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے درگزر فرمایا۔
(توہین رسالت کا مسئلہ: ۶۷)

اس کے بعد انہوں نے اس اعرابی کا واقعہ نقل کیا ہے جس نے سرراہ حضور ﷺ کے شانوں پر پڑی چادر پکڑ کر اسے اس زور سے کھینچا کہ چادر کے کنارے موٹے اور کھردرے ہونے کے باعث آپ ﷺ کے مبارک شانے پر چادر کا نشان پڑ گیا۔ اس اعرابی نے حضور ﷺ سے کہا: ''اے محمد ﷺ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا جو مال ہے اس میں سے کچھ مال مجھے دو'' چنانچہ حضور ﷺ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور ہنس پڑے۔ پھر آپ ﷺ نے اسے مال دینے کا حکم دیا۔
اس طرح کا ایک اور واقعہ بھی انہوں نے بیان کیا ہے جس میں ایک اعرابی نے جنگ حنین کے موقع پر حضور ﷺ کے مال غنیمت تقسیم کرنے پر اعتراض کیا تھا کہ بخدا! اس تقسیم میں انصاف اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کے یہ جملے حضور ﷺ کو پہنچائے تو آپ نے

پھر موصوف نے اس اعرابی کا واقعہ بھی نقل کیا ہے، جس نے مسجد نبوی ﷺ میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ جب اسے پکڑنے اور روکنے کی کوشش کی گئی تو حضور ﷺ نے منع فرما دیا۔ چنانچہ جب وہ اعرابی فارغ ہو گیا تو آپ نے پانی کا ڈول منگوا کر پیشاب پر بہا دیا اور صحابہ سے فرمایا تمہیں آسانی کے لیے بھیجا گیا ہے نہ کہ مشکل پیدا کرنے کے لیے۔

حضور ﷺ نے اسے گستاخی پر محمول نہ فرمایا

یہ بات درست ہے کہ موصوف کی طرف سے بیان کردہ پہلے واقعہ میں بظاہر حضور ﷺ کو جسمانی اذیت پہنچائی گئی، لیکن اس واقعہ کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ آپ نے اسے ہرگز توہین نہ سمجھا جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ حضور ﷺ اس بدو کی نامناسب حرکت پر ہنس پڑے۔ اگر حضور ﷺ اسے باعث توہین سمجھتے تو آپ اس پر ہنسنے کی بجائے غم و غصے کا اظہار فرماتے جیسا کہ توہین رسالت کے دیگر واقعات میں صراحت کے ساتھ موجود ہے جبکہ حضور ﷺ نے تو اسے مال دلوانے کا حکم دیا۔ حضور ﷺ نے اس کے ساتھ جو رویہ اختیار فرمایا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے فعل کو گستاخی یا اہانت پر محمول نہیں فرمایا تھا۔

اس کے برعکس موصوف ہی کے بیان کردہ دوسرے واقعے میں ایک دوسرے اعرابی کے نامناسب رویے پر آپ ﷺ نے شدید غصے کا اظہار فرمایا۔ حتی کہ اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اعرابی کی بات حضور ﷺ کو بتائی تو آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ مجھے یہ خواہش ہونے لگی کہ کاش میں یہ بات حضور ﷺ کو نہ بتاتا۔

ان دونوں واقعات میں حضور ﷺ کی کیفیات کا فرق اس بات کا غماز ہے کہ پہلے واقعے میں اعرابی کے نامناسب رویے پر حضور ﷺ مسکرا دیئے اور اسے گستاخی پر محمول نہ فرمایا، اسی لیے اس کے اس فعل کو نظر انداز فرما دیا اور اس سے صرف نظر فرما کر اعلیٰ ترین حلم اور خلق عظیم کا اظہار فرمایا۔

شارحین حدیث کی تصریحات

اکثر شارحین حدیث نے اس واقعہ سے حضور ﷺ کے خلق عظیم پر استدلال کیا ہے۔

شیخ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیھی (ت:۱۳۱۸ھ) امام قرطبی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

هذا يدل على ما وصف الله به نبيه من انه على خلق عظيم، وانه رؤف رحيم، فان هذا الجفاء العظيم الذى صدر من هذا الاعرابى لا يصبر عليه، ولا يحلم عنه مع القدرة الا مثله صلى الله عليه وآله وسلم (الفجر الساطع على الصحيح الجامع: ٧-٣١٣)	یہ دلیل ہے آپ ﷺ کے خلق عظیم پر فائز ہونے کی، جس سے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو متصف فرمایا اور بے شک وہ رؤف اور رحیم ہیں۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی زیادتی تھی جس کا صدور اس اعرابی سے ہوا جس پر قدرت رکھنے کے باوجود آپ ﷺ نے صبر و حلم کا مظاہرہ فرمایا یہ دوسرا کوئی نہیں کرسکتا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (ت:۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

وفیہ: لطف رسول اللہ ﷺ وحلمہ وکرمہ و انہ لعلی خلق عظیم
(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۱۵۔۱۰۰)

اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا لطف وحلم اور کرم ہے۔ بے شک وہ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

شیخ احمد بن اسماعیل الکورانی (ت:۸۹۳ھ) اس حدیث شریف کی شرح میں ہنسنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما تعجبا من جراتہ وجلافتہ او اظہر لہ حسن الخلق تالفاً لہ ولذلک امر لہ بعطاء
(الکوثر الجاری:۶۔۱۲۸)

یہ اس کی جسارت اور سختی پر تعجب ہے یا اس کے لیے حسن خلق اور تالیف کا اظہار ہے اس لیے اسے مال عطا کرنے کا حکم دیا۔

امام شہاب الدین احمد بن محمد الشافعی القسطلانی (ت:۹۲۳ھ) فرماتے ہیں:

وفیہ مزید حلمہ علیہ الصلاۃ والسلام وصبرہ علی الاذی فی النفس والمال والتجاوز عمن یرید تألفہ علی الاسلام.
(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری:۷۔۶۸)

اس میں آپ ﷺ کی جان ومال کو اذیت دینے پر حلم وصبر کا مظاہرہ ہے اور اسلام کی طرف رغبت دلانے کی وجہ سے ان لوگوں سے درگزر ہے۔

امام محمد التاودی بن محمد الطالب ابن سودۃ المالکی (ت:۱۲۰۹ھ) فرماتے ہیں:

وفیه ما کان علیه النبی ﷺ من الحلم وحسن الخلق وسعة الجود والصبر علی جفاة الاعراب	اس میں حضور ﷺ کے حوصلہ، حسن خلق، وسعت جود اور بدوؤں کی سختی پر صبر کا اظہار ہے۔

(حاشیة التاودی بن سودة علی صحیح البخاری: ۳-۲۹۵)

متن حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ اگرچہ اعرابی کا لب ولہجہ اور شدت کے ساتھ چادر کھینچنے کا عمل حضور ﷺ کے لیے باعث تکلیف تھا لیکن اس کے منہ سے جو الفاظ نکلے تھے وہ حضور ﷺ کی عظمت اور عالی مرتبہ پر دلالت کرتے ہیں۔ ان سے کوئی تنقیص کا پہلو نہیں نکلتا، کیونکہ اعرابی نے حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے مال کا امین اور قسیم مانتے ہوئے ان سے اس میں سے کچھ مال کا مطالبہ کیا تھا۔

جہاں تک اس کے درشت لہجے اور چادر کھینچ کر تکلیف دینے کا تعلق ہے تو حضور ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیتے تھے۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی بھی اپنی ذات اور نفس کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس اعرابی سے صرف نظر کرنے کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ اجڈ اور غیر تربیت یافتہ تھا، بلکہ اس نے حضور ﷺ کو جسمانی تکلیف دی تھی جس پر حضور ﷺ نے اپنے خلق عظیم کی وجہ سے کوئی انتقام نہ لیا۔

رعایت کا سبب کچھ اور تھا

اب دوسرے واقعہ کا جائزہ لیتے ہیں جس میں ایک اعرابی نے غزوۂ حنین میں مال غنیمت کی تقسیم پر حضور ﷺ پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

والله ان هذه القسمة ما عدل فيها وما اريد بها وجه الله — بخدا اس تقسیم میں انصاف اور اللہ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

اس اعرابی کے یہ الفاظ سن کر رحمت عالم ﷺ نے شدید غصے کے عالم میں اسے یہ جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ عدل نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے انہیں اس سے زیادہ اذیت کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے صبر سے کام لیا۔

موصوف اس واقعہ سے یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اجڈ اور تربیت سے محروم اس اعرابی کی رعایت فرماتے ہوئے اس سے درگزر کا رویہ اپنایا۔ حالانکہ اس اعرابی کے منہ سے نکلنے والے مذکورہ بالا جملے صریح گستاخی پر دلالت کرتے ہیں۔ انہوں نے اس حدیث شریف کی شرح میں صاحب ''نسیم الریاض'' کی تصریح بھی پیش کی ہے جس میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اعرابی کے اس کلام کو سب وشتم پر محمول نہیں فرمایا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ صاحب ''نسیم الریاض'' کی بات اپنی جگہ پر، لیکن خود روایت

کے متن میں یہ قرینہ موجود ہے کہ حضور ﷺ نے اعرابی کے کلمات کو نا صرف ناپسند فرمایا بلکہ اس پر شدید غصے کا اظہار بھی فرمایا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے اسے اپنی گستاخی پر ہی محمول فرمایا، البتہ حضور ﷺ نے صبر اور عفو و درگزر کا راستہ اختیار فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر کا ذکر بھی فرمایا۔

مسلم شریف کی روایت

اسی نوع کا ایک واقعہ مسلم شریف میں بھی نقل کیا گیا ہے جس میں اس اعرابی کے الفاظ میں معمولی سی کمی ہے۔ اس روایت کے مطابق اعرابی نے کہا:

ان هذه القسمة ماارید بها وجه الله — اس تقسیم میں رضائے خداوندی کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔

اعرابی کے یہ کلمات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں، تو حضور ﷺ نے فرمایا:

معاذ الله ان یتحدث الناس ان محمداً یقتل اصحابه — اللہ کی پناہ میں نہیں پسند کرتا کہ لوگ کہیں محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

(مسلم شریف، کتاب الزکاة: ۲۴۴۹۷)

ثانی الذکر روایت میں تو حضور ﷺ نے خود اپنی زبان اقدس سے اس اعرابی سے صرف نظر کرنے کا سبب بھی بیان فرما دیا کہ حضور ﷺ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ لوگ ان کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہوئے یہ کہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں کو

تربیت سے محروم تھا اور اس وجہ سے وہ رعایت کا مستحق تھا جیسا کہ موصوف نے بیان کیا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت طلب کرنا یہ غمازی کر رہا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی یہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص مستحق قتل ہے۔

ایک اور روایت میں اس واقعہ کا ذکر

اس حوالے سے احادیث میں ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بدو کو عطا فرمایا تو اس نے کہا:

ما احسنت ولا اجملت — تم نے نہ احسان کیا اور نہ ہی یہ بہتر ہے۔

چنانچہ اس گستاخانہ کلام کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ سے اسے قتل کرنے کی اجازت چاہی لیکن حضور ﷺ نے منع فرما دیا۔ چنانچہ اس نے نبی کریم ﷺ کو منانے کی کوشش کی تھی حتی کہ آپ ﷺ اس سے راضی ہو گئے تھے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

لو ترکتکم حین قال الرجل ما قال فقتلتموہ دخل النار — اگر میں تم کو اس کے گستاخانہ طرز عمل پر اسے قتل کرنے کی اجازت دے دیتا اور تم اس کو قتل کر دیتے تو وہ جہنم میں ہوتا۔

(مجمع الزوائد: ۹۔۱۸، ۱۹

تفسیر ابن کثیر: ۲۔۴۰۴)

شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث شریف سے گستاخ کے جوازِ قتل پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

فان هذا الحديث يدل على ان من آذاه اذا قتل دخل النار وذلك دليل على كفره وجواز قتله والا كان يكون شهيداً و كان قاتله من اهل النار (الصارم المسلول:۲-۳۳۹)

زیرنظر حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کو اذیت دے، پھر اس کی پاداش میں قتل ہوجائے تو جہنم میں جائے گا۔ یہ اس کے کفر اور جوازِ قتل کی دلیل ہے۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی وہ اس جرم کی وجہ سے کافر نہ ہو اور اس کا قتل بھی ناجائز ہو تو اس صورت میں تو وہ شہید قرار پائے گا اور اس کا قاتل جہنمی ہوگا (جو کہ واضح طور پر غلط اور باطل ہے)۔

ثانی الذکر روایت سے یہ پتہ چلا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے بلند مرتبہ صحابی گستاخانہ کلمات ادا کرنے والے کو مستحقِ قتل سمجھتے تھے، جبکہ مذکورہ روایت سے حضور ﷺ نے خود اپنی زبانِ اقدس سے گستاخانہ کلمات کہنے والے کو مباح الدم اور جہنمی قرار دیا۔

عزیٰ کے قیمتی مال کی تقسیم

اس سے بھی واضح ارشادِ نبی ﷺ نقل کیا جارہا ہے جو گستاخی کے مرتکب کے واجب القتل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ مجالد بن سعید، امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو عزیٰ کا قیمتی مال منگوا کر سامنے بکھیر دیا، پھر ایک

شخص کو بلا کر عطا فرمایا، پھر ابوسفیان کو اس میں سے دیا، پھر سعد بن حریث کو طلب فرمایا اور عطا کیا بعدازاں قریش کے ایک گروہ کو اس سے نوازا، آپ ﷺ ایک ایک شخص کو پچاس مثقال اور ستر مثقال سونے کے ٹکڑے دینے لگے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: آپ ﷺ بخوبی جانتے ہیں کہ تبر (سونے) کا حقدار کون ہے؟ پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے بھی یہی کہا تو آپ ﷺ نے رُخ انور پھیر لیا، بعدازاں تیسرے نے کھڑے ہو کر کہا:

انك لتحكم وما نرى عدلاً — آپ فیصلہ کر رہے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ عادلانہ فیصلہ نہیں۔

آپ ﷺ نے یہ گستاخانہ کلمات سن کر فرمایا:

ويحك اذا لا يعدل احد بعدى — تجھ پر افسوس! پھر تو میرے بعد کوئی بھی عدل کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ جاؤ اور اسے قتل کر دو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو قتل کرنے کے لیے تشریف لے گئے مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

لو قتلته لرجوت ان يكون او لهم و آخرهم — اگر تم اس کو قتل کر دیتے تو اُمید تھی کہ وہ اس (گستاخ گروہ) کا پہلا اور آخری آدمی ہوتا۔ (الصارم المسلول:۲۔۳۴۳۔۳۴۴)

شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث شریف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

فهذا الحديث نص فی قتل مثل هذا الطاعن علي رسول اللهﷺ من غير استتابة وليست هی قصة قسم غنائم ولا قسم التبر الذی بعث به علی من اليمن بل هذه القصة قبل ذلك فی قسم مال العزیٰ وكان هدم العزی قبل الفتح فی اواخر شهر رمضان سنة ثمان وغنائم حنين قسمت بعد ذلك بالجعرانة فی ذی القعدة وحديث علی فی سنة عشر

(الصارم المسلول:۲۔۳۴۴)

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں ایسا اعتراض کرنے والے سے توبہ طلب کیے بغیر اسے قتل کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ غنائم حنین کی تقسیم کا نہیں ہے نہ ہی اس سونے کی تقسیم والا واقعہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے بھیجا تھا بلکہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے اور مال عزیٰ کی تقسیم کے موقع پر رونما ہوا اس کی دلیل یہ ہے کہ عزیٰ بُت کی توڑ پھوڑ کا واقعہ اواخر رمضان سن آٹھ ہجری فتح مکہ سے پہلے کا ہے جبکہ حنین کا مال غنیمت اس کے بعد ذی القعدہ میں جرانہ کے مقام پر تقسیم ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ دس ہجری کا ہے۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات بالکل بے غبار ہو گئی کہ خود حضور ﷺ اور صحابہ کرام گستاخ رسول کو مستحق قتل ہی سمجھتے تھے لیکن گستاخانہ کلمات کہنے والے بعض افراد

کو حضور ﷺ نے معاف فرمادیا، یا ان سے صرف نظر فرمایا۔ لیکن حضور ﷺ نے ان میں سے کسی کو بھی قتل سے کمتر سزا بطور تعزیر یا تادیب نہ دی جبکہ انہیں معاف کرنا حضور ﷺ کا اختیار تھا اور جو روایت موصوف نے نقل کی ہے اس سے اور ہماری بیان کردہ روایات سے یہ بات بخوبی آشکار ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے گستاخانہ کلمات کہنے والے سے اس لیے صرف نظر فرمایا کہ حضور ﷺ کو یہ بات ناپسند تھی کہ لوگ آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہیں کہ حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کروا دیتے ہیں نہ کہ اس کے اجڈ اور تربیت سے محروم ہونے کے باعث اس سے رعایت برتی گئی۔

اس واقعہ سے استدلال درست نہیں

اس ضمن میں موصوف نے جو تیسرا واقعہ بیان کیا ہے جس میں ایک اعرابی نے مسجد نبوی شریف میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس میں شتم رسول کا کوئی پہلو سرے سے ہی موجود نہیں اور نہ ہی اس اعرابی کو روکنے والے صحابہ کا مقصد اسے قتل کرنا تھا بلکہ انہوں نے اس اعرابی کو اس لیے روکنے کی کوشش کی تا کہ مسجد نبوی شریف نجاست سے محفوظ رہے۔ آپ ﷺ کا صحابہ کرام کو یہ فرمانا کہ اس کا پیشاب مت روکو اس غرض سے تھا کہ اس طرح اس اعرابی کو جسمانی اذیت کے علاوہ کوئی بیماری بھی لاحق ہو سکتی تھی جیسا کہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ وغیرہ مشائخ نے ذکر کیا ہے۔ دراصل یہ واقعہ آپ کی اعلیٰ تبلیغی حکمتوں، دعوتی مصالح اور اخلاق کریمانہ پر دلالت کرتا

ہے۔ اس کو شتم رسول کے واقعات پر بطور تائید لانا صرف ناسمجھی کی بات ہے۔

شیخ البانی کے فتویٰ کے تنقیح

موصوف نے ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد مشہور عرب عالم شیخ ناصر الدین البانی کا ایک فتویٰ بھی نقل کیا ہے جس میں انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ ایک مسلمان کی طرف سے سب وشتم کے ارتکاب کو علی الاطلاق کفر وارتداد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بعض دفعہ سب وشتم کا فعل جہالت اور بُری تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے اور کبھی غفلت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

ناصر الدین البانی کا یہ فتویٰ ان روایات سے متعارض ہے جن کو ہم نے اُوپر نقل کیا ہے۔ یہ روایات اس مسئلہ میں نصوص کا درجہ رکھتی ہیں کہ گستاخ رسول سے توبہ طلب کیے بغیر اسے قتل کیا جائے گا اور ہر گستاخ اصلاً مستحق قتل ہے مگر وہ جسے خود حضور ﷺ نے معاف فرما دیا یا کسی بھی حکمت اور مصلحت کی بنا پر اس سے صرف نظر فرمایا۔

پھر شیخ ناصر الدین البانی حنفی عالم نہیں ہیں جن کی رائے کو موصوف نے بڑے اہتمام کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہم نے فقہائے احناف کی آراء اور فتاویٰ ایک اور تالیف ''گستاخ رسول کی سزا اور احناف کا مؤقف'' میں صراحت کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں۔ جید حنفی فقہاء نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ نشہ کی حالت میں اگر کوئی

گستاخی کا کلمہ بک دے تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا اور یہ موقف امام ابن نجیم اور امام ابن الہمام جیسے اکابر حنفی فقہاء کا ہے۔ اہل علم نے تو حضور ﷺ کی گستاخی میں لاعلمی اور جہالت کا عذر بھی قبول نہیں کیا اور نہ ہی سبقت لسانی کے عذر کو مانا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اس کی عقل فطرت سلیم پر ہوتی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی جاہل سے جاہل اور اجڈ سے اجڈ شخص بھی اپنے باپ کو گالی دینے کا نہیں سوچ سکتا، چہ جائیکہ وہ خاتم الانبیاء ﷺ کی شان میں یہ جسارت کرے۔ اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی شخصیت دین ونسب یا آپ کی کسی بھی صفت پر طعن کرنا صراحتہً یا کنایۃً یا اشارۃً یا بطور تعریض نکتہ چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے، ایسے ملعون کو لازماً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ ان جید فقہاء اور مفسرین کے مذکورہ بالا اقوال کے سامنے شیخ ناصر الدین البانی کے اس فتوی کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی جسے بڑے اہتمام کے ساتھ موصوف نے نقل کیا ہے کیونکہ شیخ ناصر الدین البانی اُمت کے نمائندے نہیں بلکہ ان کے تفردات اور تناقضات پر تو مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ملاحظہ ہوں "تناقضات الالبانی الواضحات" از شیخ حسن علی سقاف۔

خواندہ لوگ زیادہ جری ہوتے ہیں

یہاں ہم موصوف سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا آج کل کے کسی جاہل یا کسی اجڈ شخص کا ان اعرابیوں کے ساتھ موازنہ کیا جا سکتا ہے جن کا سامنا حضور ﷺ نے

فرمایا۔ آج کل تو ایسے ایسے ذرائع ابلاغ موجود ہیں جن کے ذریعے آناً فاناً کوئی بھی بات پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ کوئی رسالت مآب ﷺ کے ادب اور آپ کی ناموس کے تحفظ سے غافل رہے، جبکہ مساجد میں جمعہ کے خطبات اور دیگر اہم مذہبی تقریبات کے مواقع پر بھی ان اُمور کو خوب اُجاگر کیا جاتا ہے۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہمارے ہاں کم پڑھے اور ناخواندہ افراد اس مسئلے میں زیادہ حساس اور باادب اور مقام رسالتمآب ﷺ کا لحاظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ یہ بدبختی اکثر بظاہر ان پڑھے لکھے لوگوں پر مسلط ہوتی ہے، جن کے دلوں میں رسالتمآب ﷺ کا بغض بھرا ہوتا ہے۔ آج تک شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی بھی اور نبی کی شان میں کوئی گستاخی کی ہو یا دیگر مذاہب کی مقدس کتب کو جلانے یا بیت الخلاء میں بہانے کی جسارت کی ہو، جبکہ یہ معاملات پیغمبر اسلام اور کتاب اللہ کی اہانت کے حوالے سے آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں اور یہ جسارت کرنے والے ملعونین عیسائی یا یہودی عوام میں سے بھی نہیں ہوتے بلکہ ان کے پادری، پوپ، اراکین پارلیمنٹ اور اہل صحافت ہوتے ہیں۔ کیا یہ سارے لوگ عرف عام میں اجڈ تربیت سے محروم اور جاہل ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی دیکھ لیں کیا سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین اوران جیسے دیگر ملعونین عرف عام میں اجڈ اور جاہل لوگوں کے زمرے میں آتے ہیں؟ جبکہ انہوں نے اہانتِ رسول ﷺ کی منظم سازش اور جسارت کی۔

سوشل میڈیا پر ہونے والی توہین رسالت کی وارداتوں کو بھی اسی تناظر میں دیکھیں تو بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ فیس بک، یوٹیوب یا دیگر سوشل ویب سائٹس جو توہین رسالت کی قبیح وارداتوں میں ملوث ہیں کیا ان پر عرف عام میں اجڈ، ان پڑھ اور جاہل کا اطلاق ہوتا ہے؟

چارلی ہیبڈو کے معاملہ کو بھی اسی تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے جس کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے تمام یورپی ممالک کے سربراہان اور تہذیب وتمدن کی اعلیٰ اقدار کے حامل لاکھوں افراد سڑکوں پر آگئے تھے اور انہوں نے توہین آمیز کارٹون بنانے کے مکروہ دھندے کو جاری رکھنے کا عزم کیا تھا۔ ڈنمارک کے سب سے مشہور اخبار ''یلنڈ ر پوسٹن'' جس نے توہین آمیز خاکے شائع کرنے کی ابتدا کی اور اس فتنے کو یورپی دنیا میں ہوا دینے کا مکروہ فعل سرانجام دیا تھا کہ اس کے مالکان اور ادارتی عملہ عرف عام میں اجڈ، جاہل یا ان پڑھ کہلاتا ہے؟

مجرم کے لیے توبہ اور اصلاح کا موقع

موصوف نے دوسری حکمت کا ذکر مجرم کے لیے توبہ واصلاح کا موقع کے عنوان سے کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''حدیث وسیرت کے ذخیرے میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں صحابہ نے سبّ وشتم کا واقعہ سامنے آنے پر ابتدا میں تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی اقدام کرنے کی بجائے مجرم کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی''۔

(توہین رسالت کا مسئلہ:٦٩)

موصوف نے اپنے اس موقف کی تائید میں بعض واقعات سے استدلال کیا ہے پہلا واقعہ اس لونڈی کا ہے جو حضور ﷺ کی توہین کیا کرتی تھی ،لیکن اس کا مالک اسے منع کرتا رہتا جب وہ اپنے مالک کے منع کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود باز نہ آئی تو اس دن اس بات پر اس کے مالک نے اشتعال میں آ کر اسے قتل کر دیا۔

دوسرا واقعہ حضرت عمیر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کا ہے،جنہوں نے اپنی مشرکہ بہن کو بالآخر اس لیے قتل کر دیا کہ اس نے حضور ﷺ پر سبّ وشتم کو ایک مستقل روش بنا رکھا تھا۔

موصوف ان واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ صحابہ نے اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو جو شتم رسول کی مرتکب ہو رہی تھیں پہلے روز ہی قتل نہیں کر دیا تھا بلکہ جب یہ سبّ وشتم ایک مستقل روش کی صورت اختیار کر گیا تو انہوں نے بالآخر انہیں قتل کر ڈالا۔

ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''ان دونوں واقعات میں صحابہ نے پہلے ہی دن مجرموں کے خلاف قتل جیسا انتہائی اقدام نہیں کر ڈالا بلکہ انہیں سمجھانے بجھانے اور ان کی حرکتوں کو نظر انداز کرنے کا طریقہ اختیار کیا جب وہ کسی طرح نہ مانے تو پھر تنگ آ کر انہیں قتل کر دیا''۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ۶۹-۷۰)

موصوف کے اخذ کردہ نتائج

موصوف نے اپنی تالیف میں ایک اور مقام پر دونوں واقعات کا ذکر کیا ہے اور وہاں انہوں نے ان واقعات سے تین نتائج اخذ کیے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''ایک تو یہ کہ یہاں جرم کے تحقق اور ثبوت کے معاملے میں کوئی اخفا یا شبہ نہیں تھا۔ روایات میں جس اسلوب سے ان کا جرم بیان کیا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ ان کا یہ طرز عمل عمومی طور پر معلوم و معروف تھا یعنی ایسا نہیں تھا کہ جرم کا افشا یا اس کا ثبوت محض قاتل کے بیان پر منحصر تھا اور اس کے علاوہ اس کا کوئی ثبوت میسر نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ ان میں جرم کو ایک معمول اور عادت بنا لینے والے مجرموں کا ذکر ہوا ہے جو جان بوجھ کر اور قصداً اشتعال پیدا کر رہے تھے اور مسلسل تنبیہ کے باوجود ایسا کرنے سے باز نہیں آ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی صورت حال ہے۔ تیسرے یہ کہ یہاں جن جن افراد نے مجرموں کو قتل کیا انہوں نے ایک غیر معمولی جذبہ ایمان کا اظہار کرتے ہوئے اپنے عزیز ترین قرابت داروں کو پیغمبر ﷺ کی حرمت و ناموس پر قربان کر دیا تھا''۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ۱۰۱-۱۰۲)

تینوں نتائج درست نہیں

ہم کہتے ہیں موصوف مذکورہ تینوں نتائج اخذ کرنے میں وہ خطا پر ہیں۔

اولاً، ان کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ یہاں جرم کے تحقق اور ثبوت کے معاملے میں کوئی اخفایا شبہ نہیں تھا۔ روایات میں جس اسلوب سے ان کا جرم بیان کیا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ ان کا یہ طرز عمل عمومی طور پر معلوم ومعروف تھا۔ یعنی ایسا نہیں تھا کہ جرم کا افشایا اس کا ثبوت محض قاتل کے بیان پر منحصر تھا اور اس کے علاوہ اس کا کوئی ثبوت میسر نہیں تھا۔

پہلے ہم نابینا صحابی والی روایت کا جائزہ لیتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان اعمی کانت له ام ولد تشتم النبی ﷺ وتقع فیه فینهاها فلا تنتهی ویزجرها فلا تنزجر قال فلما کانت ذات لیلة جعلت تقع فی النبی ﷺ وتشتمه فاخذ المغول فوضعه فی بطنها واتکا علیها فقتلها فوقع بین

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک اندھے شخص کی ایک اُم ولد لونڈی تھی جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ کی شان میں بے ہودہ گوئی کرتی تھی۔ وہ اسے منع کرتا مگر وہ باز نہ آتی تھی، وہ اسے ڈانٹتا تھا مگر وہ نہ رکتی تھی

رجليها طفل فلطخت ما هناك	ایک رات بارگاہ رسالت میں دریدہ دہنی
بالدم فلما اصبح ذكر ذلك	کرنے لگی تو اس اندھے نے بھالا لے کر
لرسول الله ﷺ فجمع الناس	اس کے پیٹ پر رکھا اور اُوپر سے دبا کر
فقال انشد الله رجلا فعل ما	اسے قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس کا
فعل لي عليه حق الاقام فقام	ذکر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ہوا۔
الاعمىٰ يتخطى الناس وهو	حضور ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:
يتزلزل حتى قعد بين يدي	میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے اس
النبي ﷺ فقال يا رسول الله	عورت کو قتل کیا کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ یہ سن
ﷺ انا صاحبها كانت	کر وہ نابینا شخص کھڑا ہو گیا اور لوگوں کی
تشتمك وتقع فيك فانها ها فلا	گردنیں پھلانگتا ہوا آپ کے پاس آیا اور
تنتهي وازجرها فلا تنزجر ولي	بیٹھ کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اسے میں
منها ابنان مثل اللؤلؤتين	نے قتل کیا ہے، وہ حضور کو گالیاں دیتی تھیں۔
وكانت بي رفيقة فلما كان	میں اسے منع کرتا تو وہ باز نہ آتی تھی اور ڈانٹ
البارحة جعلت تشتمك وتقع	ڈپٹ کا اثر بھی نہیں لیتی تھی، میرے اس
فيك فاخذت المغول فوضعته	سے دو خوبصورت بیٹے ہیں وہ میری رفیقہ
في بطنها	حیات تھی۔ گزشتہ رات جب آپ کو گالیاں
	دینے لگی تو میں نے بھالا لے کر

اس کے پیٹ میں اُتار دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم گواہ ہو جاؤ کہ اس کا خون رائیگاں ہے''۔

واتکات علیها حتی قتلتها فقال النبی ﷺ الا اشهدوا ان دمها هدر
(فتح الودود فی شرح سنن ابی داؤد: ۴۔۲۷۵، رقم:۴۳۶۱۔ سنن النسائی: ۳۔۸۵۴، رقم:۳۷۹۴)

اس حدیث شریف کے متن سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے اُم ولد لونڈی کے قتل کا کوئی گواہ پیش نہ ہوا، جس کے نتیجے میں حضور ﷺ نے مجمع کو قسم دے کر پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ چنانچہ نابینا صحابی دیگر صحابہ کی گردنیں پھلانگتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کر دیا۔ لہذا یہاں قاتل کے اعتراف پر ہی انحصار کیا گیا۔

اسی طرح دوسرے واقعہ میں بھی جب حضرت عمیر بن اُمیہ نے اپنی مشرکہ بہن کو قتل کر دیا تو اس مشرکہ کے قتل کا معاملہ سر بستۂ راز ہی رہا، حتی کہ جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو خود یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کسی اور آدمی کو اس کا قاتل سمجھ کر ناحق قتل کر دیا جائے گا تو انہوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کر دیا اور اس کے قتل کا اعتراف کر لیا۔ لہذا دونوں واقعات میں کہیں بھی کوئی گواہ پیش نہ ہوا بلکہ قتل کرنے والوں کے اعتراف سے ہی ان عورتوں کے قتل کا عقدہ کھلا۔ پھر ان روایات سے یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ ان دونوں عورتوں کا گستاخانہ کلمات کہنا

صرف نابینا صحابی اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ہی کو بالترتیب معلوم تھا اور یہی بات قرین قیاس ہے کہ ان دونوں صحابیوں کی سچائی کی اطلاع حضور ﷺ کو بذریعہ وحی دی گئی ہو۔

دوسرا نتیجہ جو موصوف نے اخذ کیا ہے وہ بھی باطل ہے، کیونکہ ان گستاخ عورتوں کو زجر و توبیخ کرنا اور فوری طور پر قتل نہ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ شارع علیہ السلام کا منشا تھا، بلکہ صحابہ کے توقف کے اسباب اور تھے جن کا ذکر ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی تالیف ''گستاخ رسول کی سزا حد یا تعزیر'' میں کر دیا ہے۔

تیسرا نتیجہ اخذ کرنے میں بھی موصوف خطا پر ہیں، کیونکہ حضور ﷺ کی نسبت یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی کو ناحق قتل کرنے پر اس لیے معاف فرما دیتے کہ قاتلین نے غیر معمولی غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے قریبی عزیز و اقارب کو حضور ﷺ کی ناموس پر قربان کر دیا تھا۔

اس حوالے سے بھی ہم نے تفصیلی گفتگو اپنی تالیف ''گستاخ رسول کی سزا حد یا تعزیر'' میں کر دی ہے۔ لہٰذا ان دونوں واقعات سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نابینا صحابی اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ گستاخی کرنے والی قریبی رشتہ داروں کو توبہ کا موقع اور مہلت اس لیے دیتے رہے کہ یہ شارع علیہ السلام کا منشا تھا، یا حضور ﷺ نے انہیں کوئی ایسی تلقین فرمائی تھی، بلکہ مہلت دینے کی وجہ صاف نظر آتی ہے کہ وہ شدید رشتہ داری کے لحاظ کی خاطر صبر کرتے رہے۔ لیکن جب رشتہ داری پر ناموس رسالت کے تحفظ کا احساس غالب ہو گیا تو انہوں نے بلا توقف انہیں قتل کر ڈالا۔

معاملہ قدرت پانے کا تھا

پھر موصوف نے ایک اور واقعہ شیخ ابن تیمیہ کی کتاب ''الصارم المسلول''
سے نقل کیا ہے۔ روایت کے شروع میں ہی یہ بات واضح ہے کہ حضور ﷺ نے یہ لشکر
اسلام روانہ فرمایا، جس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما شامل
تھے۔ متن روایت میں ہے کہ جب دونوں طرف سے صف بندی ہو چکی تو ایک شخص
نے مشرکین کی صفوں سے نکل کر حضور ﷺ پر سب وشتم شروع کر دیا۔ لشکر اسلام میں
سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے اپنا اور اپنی ماں کا نام بتایا اور اس شاتم کو کہا کہ وہ اسے
اور اس کی ماں کو گالیاں دے لے لیکن حضور ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی سے باز
رہے مگر وہ باز نہ آیا۔ چنانچہ اس نے شاتم کو بار بار منع کیا جس پر اس نے شاتم کو کہا کہ
اگر اب کی بار بکو اس کی تو اپنی تلوار سے تیرا کام تمام کر دوں گا۔ شاتم اس تنبیہ پر بھی باز
نہ آیا جس پر وہ اس شاتم پر حملہ آور ہوئے لیکن وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلا۔ انہوں نے
اس شاتم کا پیچھا کیا اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اسے اپنی تلوار سے زخمی کر دیا
بعد میں مشرکوں نے انہیں گھیر کر شہید کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

اعجبتم من رجل نصر الله ورسوله — کیا تمہیں اس مجاہد کے طرز عمل پر حیرانی
ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسول ﷺ کی نصرت وحمایت کی۔

اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شارع علیہ السلام کے منشا کے تحت اس مجاہد اسلام نے شاتم رسول کو توبہ یا اصلاح کا موقع دیا۔ اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں معاملہ اصلاح کا موقع دینے کا نہیں تھا، بلکہ اس پر قدرت پانے کا تھا کیونکہ اس شاتم کی پشت پر مشرکین کا پورا لشکر موجود تھا۔ قرین قیاس یہی لگتا ہے کہ اس شاتم کو لڑائی کی شروعات کے لیے اس کام پر مامور کیا گیا تھا کیونکہ دونوں لشکروں کی طرف سے صف بندی مکمل ہونے کے بعد وہ شاتم مشرکین کی صفوں سے باہر نکل کر سبّ وشتم کرنے لگا۔ ہرگز یہ کوئی معمول کی صورت حال نہیں تھی۔ یہ شاتم نہ تو معاہد یا ذمی تھا اور نہ ہی قیدی یا اسیر، جس پر لشکر اسلام کو قدرت حاصل ہوتی۔ اس کے برعکس وہ تو حربی کافر تھا جو عین حالت جنگ میں شتم رسول کا مرتکب ہو رہا تھا، جبکہ مسلمان مجاہد کی طرف سے اس پر حملہ آور ہونے کا نتیجہ بھی وہی ہوا جو ایسی صورت میں متوقع ہوتا ہے یعنی وہ شاتم تو زخمی ہوا لیکن مسلمان مجاہد نے جام شہادت نوش کر لیا۔ بعد ازاں وہ وہ زخمی مشرک ٹھیک ہو گیا اور وہ اسلام لے آیا۔ اگر اسے مجاہد اسلام کی طرف سے توبہ اور اصلاح کا موقع فراہم کرنا سمجھا جائے تو یہ موقع اور مہلت تو گویا صرف چند ساعتوں کی ہی تھی تو کیا یہ توبہ اور اصلاح کا موقع فراہم کرنے کے ساتھ مذاق نہیں قرار پائے گا؟ جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے کہ ہم اسے توبہ اور اصلاح کا موقع دینے پر محمول کریں کیونکہ کسی بھی معاملہ میں توبہ اور اصلاح کا موقع تو اسی کو ہی دیا جا سکتا ہے جس پر قدرت حاصل ہو۔

یہاں بھی اصل سبب عدم قدرت ہے

اسی طرح موصوف نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی نقل کیا جنہیں دبا اور عمان کے علاقوں میں محصل بنا کر بھیجا گیا تھا:

''حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہاں کے لوگ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکاری ہو گئے اور فرضیت زکوٰۃ کا انکار کر کے مرتد ہو گئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں توبہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ بلکہ ان کے سامنے حضور ﷺ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم میرے سامنے میرے ماں باپ کو بُرا بھلا کہہ لو، لیکن نبی کریم ﷺ کو بُرا بھلا نہ کہو، لیکن وہ باز نہ آئے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال سے مطلع کیا۔ یہاں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی اسی حکمت کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس کی طرف ہم نے توجہ دلائی ہے''۔

(توہین رسالت کا مسئلہ: ۱۷)

تعجب ہے کہ موصوف اتنی سادہ سی بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ باغیوں کے انبوہ کثیر میں تنہا کھڑے ہیں، ان کے سامنے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کو توبہ کے لیے کہتے ہیں مگر وہ انکار کر دیتے ہیں اور ارتداد پر قائم رہتے ہیں لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے ارتداد پر اصرار کے باوجود عدم

قدرت کے باعث ان پر حد کفر وارتداد جاری نہیں کر سکتے ، اس حالت میں جب وہ سب وشتم کے مرتکب ہوتے ہیں تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم میرے ماں باپ کو میرے سامنے بُرا بھلا کہہ لو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ نہ کہو۔آپ کا یوں فرمانا دراصل آپ کی بے بسی اور عدم قدرت کو ظاہر کر رہا ہے۔ورنہ یہ باغی تو زکوۃ کی فرضیت کا انکار کرنے کے باعث پہلے ہی مرتد ہو چکے تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے توبہ کے مطالبے پر انکار کرنے کے بعد مباح الدم بھی ہو چکے تھے، خواہ وہ شتم رسول کا ارتکاب نہ بھی کرتے۔ یہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو نہ تو ان کے واجب القتل ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا تھا نہ ہی کوئی اور حکمت ان کے پیش نظر تھی۔اصل معاملہ یہی تھا کہ انہیں ان باغیوں کے اس بڑے گروہ پر قدرت حاصل نہیں تھی اور وہ ان پر کوئی حد جاری نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی ان کا تنہا مقابلہ کر سکتے تھے، اسی لیے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کیا جنہوں نے ان مانعین زکوۃ اور مرتدین کے خلاف اسلامی لشکر تیار کیا، کیونکہ ان کی سرکوبی ایک لشکر کے ذریعے ہی ممکن تھی۔ لہذا مذکورہ دونوں واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعامل سے یہ ثابت ہے کہ وہ شاتم کو توبہ اور اصلاح کا موقع فراہم کرتے تھے کسی بے بصیرت شخص کا ہی کام ہو سکتا ہے جو بہر حال اس واقعہ سے اپنے مطلب کا مفہوم اخذ کرنے پر تلا ہوا اور وہ معمولی غور وفکر اور تدبر کی صلاحیت سے بھی محروم ہو۔

اس کے بعد انہوں نے سعودی عرب کے معروف عالم شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ نقل کیا ہے، اس فتویٰ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فاذا كان من سب الرب سبحانه او سب الدين ينتسب للاسلام فانه يكون مرتدا بذلك عن الاسلام ويكون كافرا يستتاب فان تاب والا قتل من جهة ولي امير البلد بواسطة المحكمة الشرعية وقال بعض اهل العلم انه لا يستتاب بل يقتل لان جريمته عظيمة ولكن الارجح ان يستتاب لعل الله تعالىٰ يمن عليه بالهداية فيلزم الحق ولكن ينبغي ان يعزر بالجلد والسجن حتى لا يعود لمثل هذه الجريمة العظيمة وهكذا لو سب القرآن او سب الرسول ﷺ او غيره من الانبياء يستتاب فان تاب والا قتل

(توہین رسالت کا مسئلہ: ۷۱۔۷۲)

ذات باری تعالیٰ یا دین کو بُرا بھلا کہنے والا اگر مسلمان ہو تو ایسا کرنے سے وہ اسلام سے مرتد اور کافر قرار پائے گا اور اسے توبہ کے لیے کہا جائے گا۔ اگر توبہ کر لے تو درست، ورنہ حاکم شہر شرعی عدالت کی وساطت سے اس پر قتل کی سزا نافذ کر دے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ایسے شخص کو توبہ کے لیے نہ کہا جائے بلکہ قتل کر دیا جائے کیونکہ اس کا جرم بہت سنگین ہے لیکن راجح بات یہی ہے کہ اسے توبہ کے لیے کہا جائے گا۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے سرفراز فرمائیں اور وہ حق پر پختگی سے قائم ہو جائے، البتہ اسے کوڑوں اور قید کی صورت میں تعزیری سزا دی جانی چاہیے تا کہ وہ آئندہ کبھی اس جرم عظیم کا ارتکاب نہ کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن مجید یا نبی ﷺ یا کسی اور نبی علیہ السلام کی شان

میں گستاخی کرے تو اسے توبہ کے

لیے کہا جائے گا۔ اگر توبہ کر لے تو

درست، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

یہ فتویٰ نقل کرنے سے قبل موصوف نے لکھا ہے کہ جمہور فقہاء نے بالخصوص توہین رسالت کے مرتکب کے بارے میں اس بات کو لازم قرار دیا ہے کہ اسے توبہ کا موقع دیا جائے حالانکہ وہ خود یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ جمہور فقہاء کا موقف تو اس کے برعکس ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''اس ضمن میں فقہائے اسلام کے مابین اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ اس جرم کی سزا ہر حال میں یہ ہے کہ مجرم کو قتل کر دیا جائے۔''

(توہین رسالت کا مسئلہ: ۱۶)

اور موصوف کا یہ اعتراف بالکل درست ہے کہ جمہور فقہاء شاتم رسول کو حداً قتل کیے جانے کا مستحق سمجھتے ہیں اور اس کی توبہ قبول نہیں کرتے، جیسا کہ ہم پہلے تفصیل کے ساتھ اپنی تالیف ''گستاخ رسول کی سزا حد یا تعزیر'' میں بیان کر چکے ہیں۔

شیخ عبدالعزیز بن باز کے فتوے کا جائزہ

جہاں تک شیخ عبدالعزیز بن باز کے فتوے کا تعلق ہے تو وہ اپنے آپ کو حنبلی قرار دیتے ہیں، جبکہ ان کا فتویٰ امام احمد بن حنبل کی رائے کے بالکل برعکس ہے کیونکہ امام

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا موقف یہ تھا کہ شاتم سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، بلکہ اسے قتل کر دینا چاہیے۔ بن باز کا یہ فتویٰ جزواً بعض ان احناف اور شوافع کے موقف پر ہے جو شاتم رسول کو عام مرتد قرار دیتے تھے اور اس بنا پر اس کی توبہ کو قبول کرنے کا موقف رکھتے تھے۔ جزواً اس لیے کہا ہے کہ احناف تو عام مرتد سے توبہ کا مطالبہ واجب نہیں سمجھتے بلکہ مستحب سمجھتے ہیں، جبکہ انہوں نے توبہ کے مطالبہ کے لزوم کی بات کی ہے۔ پھر جن بعض احناف نے توبہ کی قبولیت کا موقف اختیار کیا وہ یا تو شاتم کی توبہ سے حد کفر وارتداد کے سقوط کے قائل ہیں یا وہ اس کی توبہ کو عند اللہ قبول مانتے ہیں نہ کہ عند الناس، جس کا مطلب یہ ہے کہ شاتم کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔ البتہ توبہ اور تجدید اسلام کے بعد اس کی موت کو ایک مسلمان کی ہی موت سمجھا جائے گا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسے کوڑوں اور قید کی صورت میں تعزیری سزا دینے کی بات نہیں کی جیسا کہ شیخ بن باز نے اپنے فتویٰ میں نقل کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں تو پھر اس سے حد کفر وارتداد ساقط ہو گئی۔ لہذا اس کے بعد تعزیری سزا پر اصرار کرنا ناقابل فہم ہے، اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی عملاً اس کی توبہ کو قبول نہیں کر رہے کیونکہ اسے توبہ کے باوجود تعزیری سزا کا حقدار قرار دے رہے ہیں۔

چنانچہ شیخ بن باز کا یہ فتویٰ مختلف فقہی آراء سے جزواً استفادہ کے باعث ایک ایسا فتویٰ بن جاتا ہے جسے نہ تو کوئی حنفی قبول کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی حنبلی۔ البتہ

موصوف نے اسے بزعم خویش اپنے موقف کی تائید میں نقل کیا ہے حالانکہ وہ تائید بھی انہیں ہرگز اس فتوے سے حاصل نہیں ہو رہی، کیونکہ وہ تو شاتم کو توبہ اور اصلاح کا موقع دینے کی بات کر رہے ہیں اور جرم شتم کے تکرار اور اصرار پر ہی اسے قابل مؤاخذہ قرار دے رہے ہیں، جبکہ شیخ بن باز کے فتوے میں شاتم کو توبہ کا موقع دینے اور اس کی توبہ کو قبول کرنے کی بات تو کی گئی ہے لیکن ساتھ ہی اسے کوڑوں اور قید کی صورت میں تعزیری سزا دینے کا موقف بھی اختیار کیا گیا ہے جبکہ موصوف کا موقف توبہ قبول کرنے کے بعد اس سے صرف نظر کرنے کا ہے۔

حاصل کلام کے طور پر انہوں نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ سب وشتم کا واقعہ سامنے آنے پر فوری طور پر قتل کرنے کی بجائے مجرم کو توبہ اور اصلاح کا موقع دیا جائے۔ انہوں نے جن واقعات سے استدلال کیا ہے ان سے ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بعض صورتوں میں صحابہ کرام کو مجرم پر قدرت حاصل نہ تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیچھے گزرا ہے اور بعض دیگر صورتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے مجرموں کے ساتھ قریبی رشتہ داروں کے باعث انہیں فوری طور پر جہنم واصل نہ کیا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ توقف شارع علیہ السلام کا منشا نہیں تھا اور موصوف نے شتم رسول کے مجرم کو توبہ اور اصلاح کا موقع دینے کی جو حکمت بیان فرمائی ہے وہ ان واقعات سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی، اسی طرح شیخ بن باز کا فتویٰ بھی ان کی تائید نہیں کرتا۔

شاتم کے خلاف ردعمل میں قرابت داری کا لحاظ

موصوف نے تیسری حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ شاتم رسول کے خلاف ردعمل ظاہر کرنے میں قرابت داری کے عمومی آداب واخلاق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شاتم رسول کسی کا قریبی رشتہ دار ہو تو اسے ایسا ردعمل ظاہر نہیں کرنا چاہیے جو رشتہ داری کے عمومی آداب واخلاق کے منافی ہو۔ گویا موصوف کے بقول اگر رشتہ دار شاتم ہو تو اس سے صرف نظر کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ نرمی کا رویہ اپنانا چاہیے۔ انہوں نے سیرت طیبہ سے جن واقعات سے استدلال کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے ان میں بلاشبہ حکمت کے اور پہلو موجود ہیں، لیکن یہ پہلو حضور ﷺ کے پیش نظر ہرگز نہیں تھا کہ رشتہ دار اور قریبی شاتم سے رشتہ داری اور قرابت کی بنیاد پر رعایت کی جائے، اگر ایسی بات ہوتی تو شتم رسول کا معاملہ ایک کھیل تماشا بن کر رہ جاتا۔

یہاں ہم ان واقعات کی تنقیح کرتے ہیں جو موصوف نے اپنے موقف کی تائید میں نقل کیے ہیں:

پہلا واقعہ

انہوں نے جو پہلا واقعہ نقل کیا ہے وہ اس طرح سے ہے کہ ایک موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ نے جو اس وقت حالت کفر میں تھے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے حضور ﷺ کو برا بھلا کہا تو انہوں نے ابوقحافہ کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ زمین پر گر گئے۔ جب یہ بات حضور ﷺ کو بتائی گئی تو آپ نے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تصدیق کرنے کے بعد انہیں منع فرمایا کہ آئندہ ایسا مت کرنا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر اس وقت تلوار میرے قریب ہوتی تو میں ابوقحافہ کو قتل کر دیتا۔

منع کرنے کا سبب رشتہ داری نہیں تھا

یہ واقعہ صاف ظاہر ہے کہ مکی دور میں پیش آیا کیونکہ ابوقحافہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی، اس دور میں دعوت اسلام انتہائی دشوار گزار دور میں تھی۔ مشرکین مکہ اہل اسلام پر غالب تھے، خود اللہ رب العزت نے اہل اسلام کو ''کفو ایدیکم '' کا حکم دے رکھا تھا۔ پھر اس دور میں شاید ہی کوئی مشرک ایسا ہو جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی نہ کی ہو۔ ان حالات میں ابوقحافہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرنا کوئی غیر معمولی فعل نہیں تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چونکہ پروانہ چراغ مصطفوی تھے اور اعلیٰ درجے کی غیرت ایمانی کے حامل تھے اس لیے انہوں نے جب اپنے والد کے منہ سے سب وشتم کے کلمات سنے تو وہ انہیں برداشت نہ کر سکے اور ان کو زوردار تھپڑ رسید کر دیا، بلکہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کرنے کے بعد یہ بھی کہا کہ اگر اس وقت میرے قریب تلوار ہوتی تو میں ابوقحافہ کو قتل کر دیتا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی حکمتوں کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کو آئندہ ایسے فعل سے منع فرما دیا۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں سب سے بڑی حکمت تو یہ تھی کہ یہ دعوت اسلام کا ابتدائی دور تھا، جس میں لوگوں کو اس نئے دین کے ساتھ مانوس کرنے کی ضرورت تھی، اگر اس مرحلہ پر ایسے واقعات کثرت کے ساتھ ظہور پذیر ہونے لگتے تو اس بات کا قوی خدشہ تھا کہ لوگ اس دعوت سے متوحش ہو جاتے۔

دوسری حکمت یہ تھی کہ اگرچہ ابتدائے اسلام ہی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کمال درجے کی غیرت ایمانی کے سبب سے تھا، لیکن اس بات کا بھی قوی خدشہ تھا کہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کے باعث حضور ﷺ کی تعلیمات اور محبت پر طعن کرنے لگتے۔ کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ انہی وجوہ کی بنا پر حضور ﷺ کو اس مرحلہ پر عفوو درگزر سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ

اور اے حبیب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

(پ ۹، الاعراف:۱۹۹)

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ

اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی۔ اسے سننے والے بُرائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست۔

(پ ۲۴، حم السجدہ:۳۴)

الغرض یہ وہ حکمتیں تھیں جن کے پیش نظر حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا۔ چنانچہ جیسے ہی دعوت اسلام کو غلبہ عروج وتمکنت اور شان وشوکت حاصل ہوئی اور مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو جس صحابی نے بھی شتم رسول کے جرم پر اپنے کسی بھی قریبی رشتہ دار کو قتل کیا تو نہ صرف آپ ﷺ نے قتل کرنے والے صحابی کو کوئی تنبیہ نہ فرمائی بلکہ اس کے اقدام کی تصویب بھی فرمادی اور قتل ہونے والوں کے خون کو رائیگاں قرار دیدیا، جیسا کہ نابینا صحابی اور حضرت عمیر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کے واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ ان دونوں واقعات کو موصوف نے خود بھی نقل کیا ہے۔ لہذا یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رشتہ داری اور قرابت کا لحاظ رکھنے کی جو حکمت موصوف نے تراشی ہے وہ نہ تو حضور ﷺ کے پیش نظر تھی اور نہ ہی کسی معروف عالم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

حضور ﷺ نے خاص دور کا لحاظ فرمایا

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ دور جس کا لحاظ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا وہ لوٹ کر نہیں آسکتا بلکہ وہ دور تو حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی لوٹ کر نہیں آیا کیونکہ دعوت اسلام کو قبول عام ہی ملتا چلا گیا۔ آج بھی ہماری بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کے باوجود اسلام دنیا میں تیز ترین رفتار کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ دوسرے مذاہب اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ نہیں پھیل رہے، اسے ہمارا حسن ظن نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت جس کے اغیار بھی معترف ہیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو" Keith

A crusial Half Century of ''کی تالیف'' A.Stump ''Religions'' چنانچہ یہ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی عصر حاضر کو ابتدائے انسلام کے اس دور پر قیاس کرنا بہت بڑا فکری مغالطہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے ان حکمتوں اور مصلحتوں کو حضور ﷺ کی زندگی کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ مثلاً شیخ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکل ھذا یختص بحیاتہ	اور یہ تمام (مصلحتیں) حضور ﷺ کی
(زاد المعاد: ۵۔۵۹)	حیات مبارکہ کے ساتھ خاص تھیں۔

دوسرا واقعہ

موصوف نے دوسرا واقعہ یہ نقل کیا ہے کہ جب ایک موقعہ پر عبداللہ بن ابی نے حضور ﷺ کے بارے میں نہایت گستاخانہ تبصرے کیے تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ حضرت عبداللہ نے حضور ﷺ سے اپنے اس ارادے کا محرک بھی بیان کیا اور کہا کہ قبیلہ خزرج میں مجھ سے زیادہ اپنے والد کا فرمانبردار کوئی نہیں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر کوئی دوسرا مسلمان میرے باپ کو قتل کرے گا تو میں اپنے باپ کے قاتل کے وجود کو گوارا نہیں کر سکوں گا اور اسے قتل کر دوں گا۔ لیکن حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

عبداللہ بن ابی سے اعراض کا سبب کچھ اور تھا

یہ واقعہ بھی ایک ایسے شخص کے بارے میں ہے جس سے حضور ﷺ نے واضح

اور معینہ حکمتوں کی بنا پر صرف نظر فرمائے رکھا، حالانکہ اس کے مباح الدم ہونے میں اس کے بیٹے کو بھی کوئی شک نہیں تھا۔ بیٹا بھی وہ جو قبیلہ خزرج میں سب سے زیادہ بڑھ کر اپنے والد کا فرمانبردار ہونے کا دعویدار تھا۔ پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسے مباح الدم سمجھتے ہیں اس لیے اس نے حضور ﷺ سے یہ اندیشہ بیان کیا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کوئی دوسرا مسلمان میرے باپ کو قتل نہ کر دے، لیکن حضور ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے اس لیے نہیں روکا تھا کہ ان کے مابین قریبی رشتہ داری تھی اور حضرت عبداللہ کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے باپ سے صرف نظر کریں بلکہ حضور ﷺ کے پیش نظر اور حکمتیں تھیں جن کی وجہ سے آپ نے عبداللہ بن اُبی جیسے منافق سے صرف نظر فرمایا۔ ان حکمتوں کا تذکرہ بعد میں کرتے ہیں۔ پہلے یہ واضح کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ کو اپنے والد سے صرف نظر کرنے کی ہدایت اس لیے نہیں دی تھی کہ وہ شتم رسول کے مرتکب باپ کا قرابت داری کی وجہ سے لحاظ کریں جیسا کہ موصوف نے لکھا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی منع فرمایا

کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو حضور ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تو اس کے قتل سے منع نہ فرماتے، جب انہوں نے حضور ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی تھی۔ ان کے مابین تو کوئی قرابت داری نہیں تھی لیکن حضور ﷺ نے ان کو بھی عبداللہ بن ابی کے قتل سے منع فرما دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو اپنے باپ کے قتل سے قرابت داری کی بنا پر منع نہیں کیا تھا۔ دراصل حضور ﷺ

کے پیش نظر کچھ اور حکمتیں تھیں جن کا تذکرہ خود حضور ﷺ نے زبان نبوت سے اس وقت فرمادیا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت طلب کی۔ ملاحظہ فرمائیں:

اذا ترعد له انف كثيرة بيثرب، فقال عمر: فان كرهت يارسول الله ﷺ ان يقتله رجل من المهاجرين فمر سعد بن معاذ او محمد بن مسلمة او عباد بن بشر فليقتلوه فقال رسول الله ﷺ فكيف يا عمر اذا تحدث الناس ان محمداً يقتل اصحابه

(الصارم المسلول: ۳۔۲۶۸)

(حضور ﷺ نے فرمایا اگر اس کو قتل کرو گے) تو یثرب میں بہت سی ناکیں اس کی حمایت میں لرزنے لگیں گی۔ حضرت عمر نے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر آپ کو کسی مہاجر کے ہاتھوں اس کا قتل پسند نہیں تو سعد بن معاذ، محمد بن مسلمہ یا عباد بن بشر کو فرمادیجیے وہ اس کو ٹھکانے لگادیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر ایسا ہوا تو لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

زبان نبوت نے اصل حکمت خود بیان فرمادی

ہم نے اوپر طویل حدیث شریف کا وہ حصہ نقل کردیا ہے جس میں حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی سے صرف نظر کرنے کی حکمتیں خود بیان فرمادی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

پہلی حکمت

عبداللہ بن ابی چونکہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا، اس لیے اگر اس کے بیٹے عبداللہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کی اجازت دیدی جاتی تو قبیلے میں انتشار پیدا ہو جاتا جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اشارہ فرمایا کہ اس کے قتل کی صورت میں بہت سی ناکیں اس کی خاطر (غضبناک ہو کر) لرزنے لگیں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق سے نکلے ہوئے جملوں کی حقانیت اس وقت ہر خاص و عام پر عیاں ہو گئی جب واقعہ افک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کنایۃً فرمایا کہ کون ہے جو مجھے اس شخص کے شر سے بچائے جس نے مجھے میرے اہل خانہ کے معاملہ میں اذیت دی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے جملے سن کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اُٹھے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس بدبخت سے نمٹنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اگر اس کا تعلق قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں گے اور اگر وہ قبیلہ خزرج سے ہے تو بھی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے منتظر ہیں۔ یہ جملے سن کر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی قبائلی عصبیت جاگ اُٹھی اور وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: بخدا! تم نے غلط کہا، تم ہرگز اس کو قتل نہیں کر سکتے، ایسا کرنا تمہارے بس میں نہیں۔ یہ سن کر حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا، بخدا تم نے غلط کہا، ہم اس منافق کو خود قتل کریں گے۔ تم منافق ہو اور اہل نفاق کے حق میں جھگڑتے ہو۔ اس طرح اوس اور خزرج دونوں قبائل میں آتش فتنہ بھڑک اُٹھی، یہاں تک کہ باہم لڑنے پر اُتر آئے:

ورسول اللہ ﷺ قائم علی المنبر، فلم یزل رسول اللہ ﷺ یخفضھم حتی سکتوا (صحیح البخاری: کتاب المغازی، باب حدیث الافک: رقم، ۴۱۴۱)

اس وقت نبی اکرم ﷺ نے منبر شریف پر جلوہ گر ہو کر ان کو خاموش کرانے کی مسلسل کوشش کی یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔

دوسری حکمت

پھر حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی سے صرف نظر کرنے کی یہ حکمت بھی اپنی زبان اقدس سے بیان فرمادی کہ اس طرح لوگ طعن طرازی کریں گے کہ حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے نفاق کے باوجود اسے اپنے ساتھی کے طور پر ذکر فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ حضور ﷺ پر تو اس کا نفاق ظاہر ہو چکا تھا، پھر وحی الٰہی نے بھی اس کے نفاق کی تائید کر دی تھی کیونکہ سورۃ المنافقون اس کے نفاق کو بے نقاب کرنے کے لیے ہی نازل ہوئی تھی۔ لیکن عامۃ المسلمین اس کے نفاق سے پوری طرح آگاہ نہیں تھے۔ اس لیے اگر حضور ﷺ اس سے پوچھ گچھ کیے بغیر اسے قتل کروا دیتے تو یقیناً شکی مزاج لوگوں کی طرف سے یہ چہ میگوئیاں ہوتیں کہ حضور ﷺ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں اور اپنا ساتھ دینے والوں کو بھی قتل کرا دیتے ہیں۔ چنانچہ جب حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو طلب کیا اور اس سے وضاحت چاہی تو اس نے کمال عیاری

کے ساتھ یہ جواب دیدیا کہ اس ذات کی قسم جس نے قرآن حق کے ساتھ آپ پر نازل فرمایا، میں نے ایسی گفتگو نہیں کی ۔ لہذا ان حالات میں حضور ﷺ نے اس سے صرف نظر کرنا ہی مناسب سمجھا اور اسے جو اپنا ساتھی قرار دیا اس کی بنیاد وہ تاثر تھا جو اس کے بارے میں اس کے قبیلہ کے افراد میں بطور خاص اور بعض دیگر صحابہ میں بطور عام پایا جاتا تھا، کیونکہ وہ شہادتین کے ساتھ اسلام کا اظہار بھی کرتا تھا اور نماز بھی پڑھتا تھا ۔ یہ تو حقیقت تھی عبداللہ بن ابی سے اعراض کرنے کی ۔ اب اس کی یہ حکمت بیان کرنا کہ اس سے قرابت داری کا لحاظ مقصود تھا ایک ایسی بات ہے جسے آپ کے واضح ارشاد پر تجاوز ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

تیسرا واقعہ

موصوف نے قبیلہ اوس اور خزرج کے مابین واقعہ اِفک پر ہونے والی نزاعی صورت حال کا بھی ذکر کیا ہے اور اس سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ کے عبداللہ بن ابی کو بچانے کی کوشش کی۔

قرابت داری یا قبائلی عصبیت؟

ہم نے تفصیلاً عبداللہ بن ابی سے اعراض کرنے کی حکمتوں کا ذکر کردیا ہے۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ موصوف کو یہ بات تو نظر آگئی کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی کو بچانے کی کوشش کی لیکن انہیں یہ نظر نہیں آیا کہ انہوں

نے ایسا کیوں کیا؟ کیا قبائلی عصبیت کی بنا پر ایسا کیا؟ یا قرابت داری اور رشتہ داری کے لحاظ کے سبب؟ یقیناً قبائلی عصبیت کی بنا پر ایسا کیا۔ جس کی تصریح متن حدیث میں موجود ہے۔ پھر انہیں یہ کیوں نظر نہ آیا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قبائلی عصبیت بیدار ہونے پر کن الفاظ سے مخاطب کیا؟

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے الفاظ پر بھی غور کریں

موصوف کے لیے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے کردار میں بھی غور وخوض کا خوب سامان موجود ہے، جنہوں نے عبداللہ بن ابی کی اس گفتگو کی حضور ﷺ کو خبر دی جو اس نے غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر آپ ﷺ کی اہانت کے لیے کی تھی۔ انہوں نے جب اس بد بخت کی اہانت آمیز گفتگو سنی تھی تو اپنی کم سنی اور انصار میں سے اسی کے قبیلے کا ایک فرد ہونے کے باوجود تڑپ کر عبداللہ بن ابی کو یہ جواب دیا تھا:

انت والله الذليل القليل البغيض فی قومك، ومحمد فی عز من الرحمن ومودة من المسلمین والله لا احبك بعد

(الصارم المسلول:۳_۲۶۸)

اے بد بخت! خدا کی قسم تو ذلیل وکمینہ ہے۔ اپنی قوم کے اندر بغض وعداوت کی آگ کو بھڑکانے والا ہے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو عزت دی، مسلمان ان سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم میں اس کے بعد تجھ سے محبت نہیں کروں گا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی بھی ملاحظہ ہو

پھر موصوف کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جنہوں نے ہر طرح کی قبائلی عصبیت کو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کی خاطر اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کی تھی کہ اگر اس بد بخت کا تعلق ہمارے قبیلہ بنی اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں گے۔ افسوس کہ موصوف نے اگر دلیل بھی پکڑی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے اس لمحاتی فیصلے سے جو خود ان کے اعتراف اور حدیث پاک کی تصریح کے مطابق وقتی طور پر قبائلی تعصب سے آلودہ ہو گیا تھا، ورنہ ان کی جانثاریاں اور صالحیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معرکہ بدر سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا تو مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بڑی اعلیٰ اور نفیس تقریریں کیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے سخن اس لیے انصار کی طرف رہا کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہونے کی صورت ہی میں آپ کی حفاظت کا ذمہ اُٹھایا تھا، جبکہ معرکہ بدر مدینہ منورہ سے باہر برپا ہو رہا تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی آرا کو جاننا ضروری سمجھا۔ چنانچہ حضرت سعد بن

عبادہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے کام میں غوروفکر فرمائیں، ان باتوں کو چھوڑیں، خدا کی قسم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عدن (یمن میں ایک مقام کا نام ہے) لے جائیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی بھی انکار نہیں کرے گا۔ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ بعد میں انصار میں سے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی پرجوش تقاریر کیں۔ جن کے نتیجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوگئے اور معرکہ بدر کا فیصلہ مکمل اتفاق رائے سے طے پایا۔

امام احمد رضا خان رحمہ اللہ کے افادات میں بھی یہ تفصیلات موجود ہیں۔

(سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد:۱۔۸۸۱۔۸۹۰)

اس سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی جانثاری اور وفاداری نمایاں ہوکر سامنے آجاتی ہے۔ انصار میں ان کا مقام بلاشبہ بہت نمایاں تھا کیونکہ وہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔

دراصل جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے والا ہمارے قبیلہ سے ہے تو میں اس کی گردن ماردیتا ہوں اور اگر وہ قبیلہ خزرج ہے تو بھی آپ کے حکم کے منتظر ہیں، تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قبیلہ کے خلاف تجاوز سمجھا اور ان پر قبائلی عصبیت غالب آگئی۔ ان کے قد کاٹھ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مدمقابل انصار کی طرف سے خلافت کے اُمیدوار

تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے اپنی وفات تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت کسی بھی خلیفۂ راشد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، حتیٰ کہ عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز تک نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن انہیں طاقت کے ذریعے نظم جماعت کی پابندی پر مجبور کرنا خلاف مصلحت سمجھا گیا، اس لیے انہیں ان کے حال پر ہی رہنے دیا گیا۔

شیخ ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

ولو يجد عليهم اعواناً لصال بهم ، ولو بايعه احد على قتالهم لقاتلهم ، فلم يزل كذلك حتى توفى ابوبكر رحمه الله وولى عمر بن الخطاب ، فخرج الى الشام ، فمات بها ، ولم يبايع لاحد ، رحمه الله

(الامة والسياسة:١-١٤)

اگر ان (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) کو ان (شیخین رضی اللہ عنہم) کے خلاف مددگار مل جاتے تو وہ ضرور ان پر چڑھائی کرتے اور اگر کوئی ان (شیخین رضی اللہ عنہم) کے خلاف لڑنے پر ان کی بیعت کر لیتا تو وہ (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) ضرور ان (شیخین رضی اللہ عنہم) سے لڑتے اور وہ ہمیشہ اسی حال پر رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے پھر وہ (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) ملک شام چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے اور انہوں نے کسی کی بیعت نہ کی۔

شیخ ابن تیمیہ نے بھی لکھا ہے:

ثم الانصار جمیعھم بایعوا ابابکر الا سعد بن عبادۃ لکونہ ھوالذی کان یطلب الولایۃ
(منہاج السنۃ:۱۔۱۳۹)

سوائے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے تمام انصار نے آپ سے بیعت کی، چونکہ حضرت سعد خود بیعت کے طالب تھے اس وجہ سے وہ بیعت پر رضامند نہیں ہوئے۔

تمام انصار کا ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قبائلی عصبیت کے معاملے میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بہت حساس تھے، لیکن ہمیں ان کی شخصیت کے اس گوشے پر زیادہ قیل وقال نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ اصحاب بدر میں سے تھے اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصریح فرما دی کہ اہل بدر کے جانثاریاں اور سرفروشیاں دیکھ کر اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ اے اہل بدر تم جو چاہو کرو۔ میں نے تم کو معاف کر دیا ہے۔

انہ قد شھد بدراً وما یدریك لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم
(صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابہ، باب حاطب بن ابی بتعۃ واھل بدر، رقم:۶۴۰۱)

حاطب غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی سرفروشیاں اور جانثاریاں دیکھ کر فرمایا۔ اے اہل بدر تم جو چاہو کرو میں نے تم کو معاف کر دیا ہے۔

لہذا ان تفصیلات کے بعد موصوف کا اس واقعہ سے اپنے موقف پر استدلال کرنا ایک نامناسب بات ہے۔

منافق سے اعراض کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا

اب کچھ کلام اس موضوع پر بھی کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اصلاً منافق تھا اور اس نے شتم رسول کا بھی اعلانیہ ارتکاب کیا، لیکن پھر بھی حکمتوں اور مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا۔ تو کیا آج بھی اگر کوئی منافق شتم رسول کا مرتکب ہو تو ہم بھی ان حکمتوں اور مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے اس سے اعراض کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو منافقین سے اعراض کرنے کا حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا تھا

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا
(پ ۲۲ ،الاحزاب:۴۸)

اور کافروں اور منافقوں کی خوشی نہ کرو اور ان کی ایذا پر درگزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور بس اللہ ہی کارساز ہے۔

جب اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ مذکورہ آیت کریمہ کی ناسخ آیت مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ
(پ ۱۰ ،التوبہ:۷۳)

اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔

بعض علماء نے سورۂ احزاب ہی کی ان آیات کو بھی اس آیت کا ناسخ قرار دیا ہے:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (پ ۲۲، الاحزاب: ۶۰-۶۱)

اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹ اُڑانے والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر شہ دیں گے، پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن۔ پھٹکارے ہوئے کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں۔

اگر سورۂ احزاب کی آیت ۴۸ کو منسوخ نہ بھی مانا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں منافقین غالب ہوں اور انہیں قوت حاصل ہو اور ان پر حد قائم کرنے سے اس سے بڑے فتنے کا اندیشہ ہو جو کہ ان کے زندہ رہنے کی صورت میں موجود ہو تو آیت ''دع اذاھم '' (اقدام سے باز رہنے اور درگزر کرنے) پر عمل کرنے کا حکم ہے اور جہاں قوت حاصل ہو گی وہاں ''جاھد الکفار والمنافقین'' پر عمل کیا جائے گا۔ جبکہ آج کسی اسلامی ریاست میں شاید ہی کوئی ایسا مقام ہو جہاں منافقین کا غلبہ اور کثرت ہو، ہاں بلاشبہ آج کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نفاق عملی کا شکار ہو سکتی ہے لیکن ان پر نفاق اعتقادی کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ نے تو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ اہلِ نفاق سے تعرض نہ کرنا رسالت مآب ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ سے خاص تھا۔

فهذا يبين ان الامساك عن قتل من اظهر نفاقه بكتاب الله على عهد رسول الله ﷺ اذ لا نسخ بعده ولم ندع ان الحكم تغير بعده التغير لمصلحة من غير وحى نزل، فان هذا تصرف فى الشريعة وتحويل لها بالرأى (الصارم المسلول:۳۔۶۸۳،۶۸۴)	اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہوگئی کہ اہل نفاق سے تعرض نہ کرنا بحکم کتاب اللہ عہد رسول ﷺ میں تھا کیونکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد نسخ حکم کی کوئی صورت نہیں نہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حکم حضور ﷺ کے وصال کے بعد تغیر مصلحت کی وجہ سے بغیر وحی کے اترے بدل گیا کیونکہ یہ شریعت میں بے جا تصرف اور رائے سے احکامِ دین بدلنا ہے۔

زیر بحث مسئلہ منافق کا نہیں شاتم کا ہے

پھر یہ معاملہ تو عام منافق کے حوالہ سے ہے اور یہاں تو معاملہ شاتم رسول کا زیر بحث ہے جبکہ ہمارے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ شتم رسول سے مسلمان کا ایمان نہیں بچتا اور وہ کافر ہو جاتا ہے، تو پھر منافق کے بارے میں بھی خواہ اس کا نفاق ثابت ہو یا نہ ہو کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ شتم رسالت سے کافر و زندیق نہیں ہو جائے گا اور اس سبب سے قتل نہیں کیا جائے گا؟

چوتھا واقعہ

اس کے علاوہ بھی موصوف نے کچھ واقعات سے اپنے مؤقف کے حق میں استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مثلاً انہوں نے بدر کے قیدیوں کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے مشرکین

کے ستر (۷۰) قیدیوں کے ساتھ نرمی اختیار کرتے ہوئے حضور ﷺ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ ہمارے چچازاد بھائی، ہمارے قبیلے کے لوگ اور ہمارے بھائی بند ہیں۔اس لیے آپ ان سے فدیہ لے کرانہیں چھوڑ دیں۔

موصوف کا نامناسب طرزِ عمل

موصوف کا یہ رجحان بے حد افسوسناک ہے کہ وہ اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے متن حدیث سے اہم مقامات حذف کردیتے ہیں۔انہوں نے یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے،لیکن انہوں نے اپنے اس قول کی جو حکمتیں بیان فرمائیں ہیں انہیں موصوف نے حذف کردیا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیدیوں سے فدیہ لینے کی تجویز پر دلائل بھی دیئے تھے جن کا تذکرہ متن حدیث ہی میں موجود ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

فیکون مااخذنا منهم قوة لنا علی	تاکہ اس مال سے ہم اپنے لیے کفار کے
الکفار، وعسی الله ان یهدیهم	خلاف قوت حاصل کریں اور ممکن ہے کہ
فیکون لنا عضداً	اللہ ان میں سے کسی کو ہدایت دیدے اور
(مسند احمد: رقم ۲۰۸۔ص:۲۵۴)	وہ ہمارا مددگار بن جائے۔

حضور ﷺ کو قیدیوں سے فدیہ لینے کا اختیار تھا

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ حضور ﷺ کے لیے غنائم حلال ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام میں سے آپ ہی کی

فضیلت ہے کہ آپ کے لیے غنائم حلال کیے گئے ورنہ آپ سے قبل کوئی بھی اُمت غنائم کو استعمال میں نہیں لاسکتی تھی، بلکہ غنائم کو جمع کر کے آگ لگادی جاتی تھی۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ قیدیوں سے فدیہ لینا بھی غنائم ہی میں شامل ہے۔ پھر "سورۃ محمد" جنگ بدر سے پہلے نازل ہو چکی تھی اور اس میں حضور ﷺ کو جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی اجازت بھی دیدی گئی تھی، جبکہ اس سے قبل انبیاء علیہم السلام کو دو ہی باتوں کی اجازت تھی یا تو وہ انہیں قتل کر سکتے تھے یا احساناً چھوڑ سکتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا ۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (پ ۲۶، محمد: ۴)

تو جب کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کرلو تو مضبوط باندھو پھر اس کے بعد چاہے احسان کر کے چھوڑ دو چاہے فدیہ لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے۔

لہٰذا سورۂ محمد کی ان آیات کی صورت میں حضور ﷺ کو قیدی بنانے اور پھر انہیں احساناً یا فدیہ لے کر چھوڑنے کا اختیار مل چکا تھا اور اسی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی تجویز بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو تجویز دی وہ سابقہ شریعتوں کی متابعت میں

تھی۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں سورۂ محمد میں فدیہ لے کر جنگی قیدیوں کو چھوڑنے کی اجازت کا علم نہ ہو، جبکہ ان کے برعکس سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے اصوب تھی

چنانچہ یہ مسئلہ محض قرابت داری کے لحاظ کا نہ تھا بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کے حق میں قوی دلائل بھی دیئے تھے کہ اس مال سے ہمیں قوت حاصل ہوگی اور یہ امکان بھی ہے کہ ان میں سے کچھ راہ راست پر آجائیں اور ہمارے وفادار بن جائیں۔ لہٰذا اُصولی طور پر شیخین رضی اللہ عنہما میں سے کسی کی رائے بھی کتاب وسنت کے مخالف نہیں تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو بہتر خیال فرماتے ہوئے اختیار فرمایا اور اہل علم نے بھی ان کی رائے ہی کو زیادہ درست قرار دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے ''فتح الباری'' میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو اصوب قرار دیا۔ شیخ ابن قیم نے بھی متعدد دلائل کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی رائے کو اصوب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

وقد تکلم الناس، فی ای الراییں کان اصوب، فرجحت طائفة قول عمر لهذا الحدیث، ورجحت طائفة قول ابی بکر، لاستقرار الامر علیه وموافقته الکتاب الذی سبق من الله باحلال ذلك لهم،

اہل علم نے اس پر گفتگو کی ہے کہ ان دونوں آراء میں اصوب کون سی ہے؟ ایک گروہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کو مذکور حدیث کی بنا پر ترجیح دی، جبکہ دوسرے گروہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو اصوب کہا، اس پر دلائل یہ ہیں:

ولموافقته الرحمة التی غلبت الغضب ولتشبیه النبی ﷺ له فی ذلك بابراهیم وعیسیٰ وتشبیهه لعمر بنوح وموسیٰ ولحصول الخیر العظیم الذی حصل باسلام اکثر اولئك الاسری، لخروج من خرج من اصلابهم من المسلمین ولحصول القوة التی حصلت للمسلمین بالفداء، ولموافقة رسول اللہ ﷺ لابی بکر اولاً، ولموافقة الله له آخراً حیث استقر الامر علی رایه ولکمال نظر الصدیق فانه رأی ما یستقر علیه حکم الله آخرا، وغلب جانب الرحمة علی جانب العقوبة قالوا :واما بکاء النبی ﷺ فانما کان رحمة

۱۔اسی پر دائمی حکم قائم رہا۔۲۔کتاب اللہ نے اس کی موافقت کی کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں غنائم کو حلال فرمایا ہے۔۳۔یہ رائے رحمت الٰہی کے موافق ہے جو غضب پر غالب ہے۔۴۔حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم وحضرت عیسیٰ علیہما السلام جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تشبیہ دی ۔۵۔اس رائے میں یہ عظیم خیر تھی کہ اکثر قیدی مسلمان ہو گئے ۔٦۔ان کی پشتوں سے مسلمان پیدا ہوئے ۔۷۔فدیہ کی وجہ سے مسلمانوں کو قوت حاصل ہوئی ۔۸۔ اولاً رسول اللہ ﷺ نے انہی کی رائے کو پسند فرمایا۔۹۔ آخر اللہ تعالیٰ نے بھی انہی کی تصدیق فرمائی کیونکہ حکم الٰہی اس پر جاری ہوا۔

لنزول العذاب لمن اراد بذلك عرض الدنيا، ولم يرد ذلك رسول الله ولا ابوبكر، وان اراده بعض الصحابة، فالفتنة كانت تعم ولا تصيب من اراد ذلك خاصة، كما هزم العسكر يوم حنين بقول احدكم : (لن نغلب اليوم من قلة) وبا عجاب كثرتهم لمن اعجبته منهم، فهزم الجيش بذلك فتنة ومحنة ثم استقر الامر على النصر والظفر والله اعلم

(زاد المعاد:۳۔۱۰۱)

۱۰۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس قدر کامل رائے تھی کہ حکم الٰہی آخر اسی پر جاری ہوا۔ ۱۱۔ اس میں جانب رحمت، جانب عقوبت پر غالب ہے۔ رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا تو بطور رحمت ان لوگوں پر تھا جنہوں نے مال دنیا کا ارادہ کیا اور یہ ارادہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا، ہاں بعض صحابہ کا ارادہ تھا، اُصول یہ ہے کہ عذاب عمومی ہوتا ہے فقط ارادہ والوں کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ یوم حنین میں ایک نے کہا آج ہم اسی پر غالب ہیں تو اس کی وجہ سے پورے لشکر کو ہزیمت اُٹھانا پڑی تو یہ بطور سزا تھا جبکہ پھر اس پر فتح ونصرت کا معاملہ ہو گیا اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

اس مسئلہ پر محقق عصر حضرت مفتی محمد خان قادری مدظلہ العالی کا نہایت علمی اور وقیع مقالہ ''حضور ﷺ کا بدر میں فیصلہ ہر گز خطا نہیں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے جو اس مسئلہ پر تفصیلات جاننے کے خواہش مند ہوں وہ اس کا مطالعہ فرمائیں۔

یہ مسئلہ جنگی قیدیوں کا تھا

یہ چند سطور اس معاملہ کی وضاحت کے لیے محض اس لیے بیان کر دی ہیں تا کہ موصوف کی تحریر سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے اختلافی نکتۂ نظر کے حوالے سے بدیہی طور پر جو اشتباہ پیدا ہو رہا تھا اس کا ازالہ ہو سکے، ورنہ اُصولی طور پر تو یہ معاملہ شاتمین رسول کا نہیں بلکہ جنگی قیدیوں کا تھا، جن کے لیے شریعت میں الگ احکام موجود ہیں۔ انہیں شاتمین رسول پر قیاس کرنا پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو جنگی قیدیوں کی بجائے شاتمین پر منطبق کرنا ایک نامناسب بات ہے۔

اُمیہ بن خلف کے واقعہ سے غلط استدلال

موصوف نے ایک واقعہ اُمیہ بن خلف کا بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بدر میں شکست کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسے بچانے کی کوشش کی، کیونکہ قریش کا یہ سردار حضور ﷺ کا بدترین دشمن ان کا دوست تھا اور ان کے مابین یہ دوستی ہجرت کے بعد بھی برقرار تھی۔ دونوں اپنے اپنے شہر میں ایک دوسرے کے اموال اور تجارتی معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ لہذا جنگ بدر میں جب مشرکین

کو شکست ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسی دوستی کو نبھاتے ہوئے اُمیہ کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کی اور اسے لے کر پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اتنے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑ گئی اور انہوں نے آواز دے کر کچھ انصاری صحابہ کو اکٹھا کر لیا اور ان کے پیچھے ہو لیے۔ جب یہ حضرات پیچھا کرتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اُمیہ کی جان بچانے کے لیے اسے نیچا بٹھا کر اپنے آپ کو اس کے اُوپر ڈال دیا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کے نیچے سے تلوار مار کر اُمیہ کا کام تمام کر دیا۔ موصوف کا اس واقعہ سے استدلال کرنا بھی کئی اعتبارات سے درست نہیں ہے:

اولاً اُمیہ بن خلف کا معاملہ ذمی یا معاہد شاتم رسول کا نہیں بلکہ وہ ایک حربی کافر تھا جو جنگ میں شریک تھا۔

ثانیاً حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ اسے قیدی بنا لیا جائے جیسا کہ غزوہ بدر میں ستر (۷۰) مشرکین کو قیدی بنایا گیا تھا جبکہ ستر (۷۰) کے قریب ہی مشرکین جہنم واصل ہوئے تھے جن میں ان کے بارے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ لہذا اس بات کے بہت واضح امکانات پیدا ہو گئے تھے کہ مشرکین مکہ بدر میں اپنا یہ عبرت ناک انجام دیکھ کر اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ اسی امکان کی بنا پر ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ مشورہ پیش کیا تھا کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ

لے کر رہا کر دیا جائے تا کہ یہ خود یا ان کی نسلیں اس لطف پر مائل بہ اسلام ہو جائیں۔
حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی یہی ارادہ رکھتے تھے کہ اُمیہ بن خلف کو قیدی بنا لیا جائے۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑ گئی جبکہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسے قیدی بنا کر پہاڑ کی طرف لے جا رہے تھے چنانچہ انہوں نے بعض انصار کی مدد سے باپ اور بیٹے دونوں کا قصہ تمام کر دیا۔

میری زِرہیں بھی گئیں اور قیدی بھی

کئی شارحین نے اس حدیث کی شرح میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا بلال رضی اللہ عنہ پر رحم کرے کہ (ان کے سبب) میری زرہیں بھی گئیں اور مجھے میرے قیدی کی وجہ سے پریشانی بھی ہوئی۔

امام ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فکان عبد الرحمن يقول: يرحم الله بلالاً، ذهبت ادراعي وفجعني بأسيري

(شرح صحیح بخاری لابن بطال: ٦-٤٣٥)

عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے کہ جن کی وجہ سے میری زرہیں بھی جاتی رہیں اور مجھے میرے قیدی کی وجہ سے پریشان بھی کیا۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے بھی اسے یوں ہی نقل کیا ہے:

وکان عبدالرحمن یقول: رحم الله بلالاً، ذهبت ادراعی وفجعنی باسیری (عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۱۲ـ۱۸۳)	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: اللہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر رحم کرے کہ میری زرہیں بھی نہ رہیں اور مجھے قیدی کی وجہ سے پریشان بھی کیا۔

زرہوں کا تذکرہ اس لیے فرماتے تھے کہ جس وقت انہوں نے اُمیہ کو قیدی بنانے کا ارادہ کیا تھا تو ان کے ہاتھ میں کچھ زرہیں تھیں جو انہوں نے کافروں سے چھینی تھیں اور یہ زرہیں انہوں نے زمین پر رکھ دی تھیں جو اس کشمکش میں غائب ہو گئیں۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ بدر کے موقع پر بعض صحابہ نے مشرکین مکہ کو قتل کرنے کی بجائے اس لیے قیدی بنالیا تھا کہ ان کی رہائی کے بدلے غنائم اور فدیہ حاصل ہوگا جس پر اللہ رب العزت نے عتاب فرمایا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (پ ۱۰، الانفال: ۶۷ تا ۶۹)	کسی نبی کے لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔ تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ۔

اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ عتاب الٰہی بعض صحابہ پر تھا۔ طوالت سے بچنے کے لیے امام ابوعبداللہ القرطبی (ت: ۶۶۸) کے ایک اقتباس پر ہی اکتفا کرتے ہیں:

هذه الاية نزلت يوم بدر عتاباً من الله عزوجل لاصحاب نبيه صلى الله عليه وسلم والمعنى ما كان ينبغى لكم ان تفعلوا هذا الفعل الذى يوجب ان يكون للنبى صلى الله عليه وسلم اسرى قبل الاثخان ولهم هذا اخبار بقوله (تريدون عرض الدنيا) والنبى صلى الله عليه وسلم لم يامر باستبقاء الرجال وقت الحرب ولا اراد قط عرض الدنيا وانما فعله جمهور مباشر الحرب فالتوبيخ والعتاب انما كان متوجهاً بسبب من اشار على النبى صلى الله عليه وسلم باخذ الفدية، هذا قول اكثر المفسرين وهو الذى لا يصلح غيره (الجامع الاحكام القرآن: ۱۰۔۴۶)

یہ آیت مقدسہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر بطور عتاب نازل ہوئی ۔ مفہوم یہ ہے کہ تمہارے شایان شان نہیں تھا کہ تم ایسا فعل کرو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوب خون بہانے سے پہلے قیدی بنانے کا موجب ہوا اور انہیں "تریدون عرض الدنیا" کے ذریعے اطلاع دی۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہرگز بوقت جنگ لوگوں کی گرفتاری کا نہیں کہا اور نہ مال دنیا کا ارادہ فرمایا تو یہ جنگ میں () صحابہ سے ہوا تو زجر وعتاب ان کی طرف متوجہ ہے جنہوں نے (ذاتی اغراض کے لئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فدیہ کا اور مشورہ دیا تھا۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا قول درست نہیں۔

پھر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تو اس مسئلہ کو کھول کر رکھ دیا ہے:

وھم بعض ضعفاء المؤمنین　　　　اور یہ بعض ضعیف مسلمان تھے۔

(شرح الشفاء:۲۔۲۸۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تو بلا شبہ جلیل القدر صحابہ کرام میں شامل ہیں کیونکہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔اس لیے اگر انہوں نے اُمیہ بن خلف کو قیدی بنانے کا ارادہ کیا تو ان کے پیش نظر کوئی مالی منفعت یا فدیہ کا حصول نہیں تھا بلکہ وہ اس بات کے اُمیدوار تھے کہ شاید وہ ہدایت پکڑ لے اور اسلام کی طاقت میں اضافہ کا سبب بن جائے ، کیونکہ وہ مشرکین مکہ کے سرداروں میں سے تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی فدیہ لینے کا مشورہ اسی سبب سے دیا تھا۔لہذا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اُمیہ کو پہاڑی پر لے جانا اسے قیدی بنانے کی غرض سے تھا نہ کہ معاذ اللہ فرار ہونے میں اس کی معاونت کی غرض سے تھا جیسا کہ موصوف نے تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔

دارالحرب میں مسلمان کسی بھی حربی کو وکیل بنا سکتا ہے

ثالثاً اس حدیث شریف کو امام بخاری نے ''کتاب الوکالة'' کے باب ''اذا وکل المسلم حربیا فی دارالحرب او فی دارالاسلام جاز'' میں نقل کیا ہے۔اکثر شارحین نے اس حدیث شریف کی شرح میں لکھا کہ اس حدیث شریف سے کسی بھی مسلمان کی طرف سے دارالحرب یا دارالاسلام میں کسی بھی حربی کو وکیل بنانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں:

فان قلت : بمجرد هذا يصح توكيل مسلم حربياً فى دارالحرب۔ قلت : الظاهر ان عبدالرحمن لم يفعل هذا الا باطلاع النبى ﷺ فلم ينكر عليه فدل على صحته فان قلت: الترجمة فى شيئين والحديث لايدل الا على احدهما ، وهو: توكيل المسلم حربياً وهو فى دارالحرب ، قلت: اذا صح هذا فتوكيله اياه فى دارالاسلام يكون بطريق الاولىٰ ان يصح

اگر آپ یہ سوال کریں کہ محض اس سے مسلمان کا دارالحرب میں کسی حربی کو وکیل بنانا درست ہوگا ؟ جواب: ظاہر یہی ہے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ فعل نبی کریم ﷺ کی اطلاع پر ہی کیا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ جو اس کی صحت پر دلیل ہے اور اگر تم یہ سوال کرو کہ عنوان دو چیزوں کے بارے میں ہے اور حدیث ان میں سے ایک پر دلالت کرتی ہے اور وہ مسلمان کا حربی کو وکیل بنانا ہے جبکہ وہ دارالحرب میں ہو۔

وقال ابن المنذر : توكيل المسلم حربياً مستامناً وتوكيل الحربى المستأمن مسلماً لا خلاف فى جواز ذلك

(عمدة القارى شرح صحيح البخارى:۱۲_۱۸۱)

جواب یہ ہے کہ جب یہ درست ہے تو دارالاسلام میں اسے وکیل بنانا بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔ امام ابن منذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسلمان کا حربی مستامن کو وکیل بنانا اور حربی مستامن کا مسلمان کو وکیل بنانا اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اُمیہ بن خلف کو مکہ میں اپنا وکیل مقرر کیا تھا۔ اس لیے ان کا اس کے ساتھ تعلق بالکل واضح ہے اور یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں بھی تھی اور آپ نے اس سے منع بھی نہیں فرمایا تھا لیکن یہ تاثر درست نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دشمن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دوست تھا یا انہوں نے اس کے ساتھ دوستی کے تعلق کی بنا پر اسے بچانے کی کوشش کی۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ انہوں نے اسے قیدی بنایا تھا اور بدر کے تناظر میں عمومی طور پر ان کے رویے کو غلط کہنا مناسب نہیں کیونکہ بدر میں مجموعی طور پر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ستر (۷۰) مشرکین مکہ کو قیدی بنایا تھا۔

قیدی بنانے کے عمل کا جواز

رابعاً متن حدیث اور شارحین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسے قیدی بنانے کی غرض سے پکڑا تھا، جیسا کہ کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی متعدد مشرکین کو قتل کرنے کی بجائے انہیں قیدی بنانے کو ترجیح دی تھی۔ ان کی نیت یا ارادہ اسے بھگانے یا فرار کرنے میں معاونت فراہم کرنے کا نہیں تھا، جبکہ اس کی ہدایت کی غرض سے اسے قیدی بنانا ایسا فعل نہیں تھا جس پر از روئے شریعت کوئی اعتراض وارد ہوتا ہو کیونکہ سورۂ انفال کی مذکورہ آیات میں بھی کفار کا خوب خون بہانے کے بعد انہیں زندہ قید کرنے کی اجازت کی تصریح موجود ہے اور بدر میں اس حکم پر خوب عمل ہوا، کیونکہ ستر (۷۰) کے قریب مشرکین کو جہنم واصل کیا گیا۔ بعض ضعفاء صحابہ پر جو عتاب الٰہی وارد ہوا اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ انہوں نے

مشرکین کو قتل کرنے کی بجائے قیدی بنایا بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ ان کے اس عمل کا محرک دنیا کی طلب تھی، جیسا کہ آیت مبارکہ میں تصریح کردی گئی ہے۔

تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ — تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔

اسی طرح قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا عمل بھی عتاب الٰہی کا سبب نہ تھا کیونکہ اس آیت مبارکہ میں یہ تصریح بھی کردی گئی کہ اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو کافروں سے فدیہ لینے پر تم پر بڑا عذاب آتا۔

لو لا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم — اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لیا اس میں تم پر بڑا عذاب ہوتا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زد سے بچانے کے عمل میں کراہت

خامساً البتہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور انصار صحابہ کے حملوں سے بچانے کے لیے جو کوشش کی اس سے ان کے پاؤں میں زخم آ گیا تھا۔ جس کا نشان تا دیر ان کے پاؤں پر رہا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ انہوں نے اچھی نیت اور ارادے سے اسے قیدی بنایا تھا لیکن جنگ میں اسے اس وقت بچانے کی کوشش کرنا جبکہ وہ ان کے اپنے ہی ساتھیوں کی زد میں تھا کسی نہ کسی درجے میں ناپسندیدہ تھا، جس کی وجہ سے ان کے پاؤں پر زخم کا نشان تا دیر رہا۔ جیسا کہ متن حدیث میں موجود ہے:

واصاب احدهم رجلی بسیف	ان میں سے ایک نے میرے پاؤں پر
وكان عبدالرحمن بن عوف يرينا	تلوار ماری، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
ذلك الاثر فی ظهر قدمه	رضی اللہ عنہ اپنے قدم کی پشت پر نشان
(صحیح البخاری، کتاب الوکالۃ، رقم:۲۳۰۱)	دکھاتے۔

اس ناپسندیدگی کا ایک سبب تو یہ نظر آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسے قتل کرنے کا عمل بہر حال منشاء الٰہی کے زیادہ قریب تھا۔ اگرچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی اسے قیدی بنانے کی رخصت پر عمل فرما رہے تھے لیکن مسلمانوں کی تلواروں کی زد سے اسے بچانے کے لیے ان کی طرف سے اس حد تک کوشش کرنے پر بہر حال حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور انصار صحابہ کا عمل بھاری اور افضل ہے۔ اس ناپسندیدگی کا ایک سبب یہ بھی نظر آتا ہے کہ اُمیہ بن خلف کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما دیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اس لیے وہ معرکۂ بدر میں شریک ہونے سے کتراتا رہا۔ بالآخر ابو جہل کے اصرار پر آمادہ ہوا لیکن اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ تھوڑی دور تک کفار کے لشکر کے ساتھ جائے گا اور پھر موقع پا کر واپس ہو جائے گا لیکن اس کی موت اسے بدر تک لے آئی تھی۔

اُمیہ کا قتل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اُمیہ بن خلف جنگ بدر سے بہت پہلے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی زبان سے مکہ ہی میں اپنے قتل کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی سن چکا تھا، اس لیے وہ بدر کے موقع پر جنگ میں شریک ہونے سے جی چراتا

رہا۔ چنانچہ ابو جہل نے اسے یہ کہا:

ادرکوا عیرکم فکرہ امیة ان یخرج فاتاہ ابو جھل فقال: یا ابا صفوان انك متی یراك الناس قد تخلفت وانت سید اھل الوادی تخلفوا معك، فلم یزل بہ ابو جھل حتی قال: اما اذا غلبتنی فواللہ لاشترین اجوز بعیر بمکة، ثم قال امیة : یا ام صفوان جھزینی ، فقالت لہ : یا ابا صفوان وقد نسیت ما قال لك اخوك الیثربی ؟

اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو، لیکن اُمیہ نے باہر نکلنے (جنگ میں شریک نے) سے پہلوتہی کی۔ چنانچہ ابو جہل اس کے پاس آیا اور اسے کہا اے ابوصفوان تم اس وادی کے سردار ہو اگر تم جنگ میں حصہ لینے سے پہلوتہی کرو گے تو دوسرے لوگ بھی تمہاری پیروی میں پہلوتہی کریں گے۔ ابو جہل برابر اصرار کرتا رہا۔ امیہ جب مجبور ہو گیا تو اس نے کہا خدا کی قسم میں ایک نہایت عمدہ، بہادر اور تیز رو اُونٹ خریدوں گا تاکہ جب موقع ملے تو راستہ ہی سے واپس آجاؤں اور اپنی بیوی اُم صفوان سے جا کر کہا کہ سفر کا سامان تیار کر دے۔ اُم صفوان نے کہا کہ کیا تمہیں اپنے یثربی بھائی کا قول (کہ تم محمد ﷺ کے اصحاب کے ہاتھوں مارے جاؤ گے)

قال: لا، ماارید ان اجوز معهم الا قریباً۔ فلما خرج امیة اخذ لا یترك منزلاً الا عقل بعیره، فلم یزل بذلك حتی قتله الله عزوجل ببدر (صحیح البخاری: کتاب المغازی؛ باب من یقتل ببدر، رقم: ۳۹۵۰)	یاد نہیں رہا؟ اُمیہ نے کہا نہیں خوب یاد ہے لیکن میرا ارادہ جانے کا نہیں ۔ تھوڑی دور تک ساتھ جا کر واپس آجاؤں گا۔ پس اُمیہ مکہ سے نکلا اور ہر منزل پر اپنے اُونٹ کو باندھ دیتا (تا کہ وہاں سے واپس ہو جائے) لیکن وہ بدر تک آن پہنچا اور وہاں اللہ کے حکم سے مارا گیا۔

لہذا اسے بچانے کا عمل حضور ﷺ کے منشاء اور پیشگوئی کے تقاضا کے بھی برعکس تھا، لیکن یہ بات بہر حال تعجب خیز ہے کہ موصوف کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اسے بچانے کا عمل تو یاد ہے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسے ہلاک کرنے کا عمل یاد نہیں ہے، جبکہ ان کا یہ عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منشاء اور رضا کے عین مطابق ہے۔

یہاں یہ بات تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اُمیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زد سے بچانے کا عمل بہر حال ان کی اجتہادی غلطی تھی جس میں اگرچہ کسی طمع یا خواہش نفس کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ وہ اس کی ہدایت کے ہی خواہاں تھے۔ لہذا کسی کی اجتہادی غلطی

سے دلیل پکڑنا یقیناً دانشمندی نہیں کہلا سکتا۔

امان دینے کے بعد قتل جائز نہیں

اسی طرح انہوں نے ابوسفیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہیں فتح مکہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آمادہ کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کریں، ورنہ مسلمان انہیں قتل کر دیں گے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو قبول اسلام اور طلب امان کے لیے آمادہ کیا تھا اور ابوسفیان کا معاملہ فتح مکہ کے بعد ایک ایسے حربی کافر کا تھا جو کہ بغیر معاہدہ کے دارالاسلام میں رہ رہا تھا، نہ کہ یہ معاملہ شاتم رسول کا تھا جو کہ ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں لے کر جا رہے تھے تو راستے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ان پر نظر پڑی تو انہوں نے نعرہ بلند کرتے ہوئے کہا:

الحمدلله الذی امکن منك بغیر عقد ولا عهد

اللہ کا شکر ہے کہ تم کسی معاہدے کے بغیر ہمارے ہاتھ لگ گئے ہو۔

اور یہ بات "البداية والنهاية" کی اس روایت میں بھی مذکور ہے جسے موصوف نے نقل کیا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ اس کے باوجود یہ فرق ملحوظ نہ رکھ سکے کہ یہاں معاملہ شاتم کا نہیں تھا بلکہ ایک حربی کافر کا تھا جو بغیر کسی عہد اور ذمہ کے مفتوحہ مکہ (دارالاسلام) میں موجود تھا۔

پھر یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ حتمی طور پر کسی کو امان دینے کا اختیار تو حضور ﷺ کے پاس ہی تھا لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ نہ صرف ابو سفیان کو قبول اسلام اور طلب امان کے لیے آمادہ کر چکے تھے بلکہ انہیں عارضی امان دے کر ہی حضور ﷺ کے پاس لا رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو انہیں قتل کرنے سے روکا تھا۔

شریعت اسلامیہ کا اُصول یہ ہے کہ اگر کسی حربی کافر کو کوئی مسلمان امان دیدے تو وہ ''مستأمن'' ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے متعدد ارشادات اس حوالے سے وافر راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من امن رجلاً علی دمه وماله ثم قتله فانا منه بری وان کان المقتول کافراً	جو کسی کو جان و مال کی امان دے پھر اسے قتل کر دے تو میں اس سے بیزار ہوں خواہ وہ مقتول کافر ہی ہو۔

(سنن ابن ماجه فی کتاب الدیات۔باب من امن رجلا علی دمه فقتله:۲۔۸۹۶۔رقم:۲۶۸۸)

یہ روایت الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ ''مسند احمد'' میں بھی نقل کی گئی ہے۔ ابن ماجہ، ہی کی ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اذا امنك الرجل علی دمه ومالـه　جو کوئی شخص تجھ سے اپنے خون اور مال کی

فلا تقتله　امان حاصل کر لے اسے قتل نہ کرو۔

(سنن ابن ماجه فی کتاب الدیات-باب من امن رجلا

علی دمه فقتله:۲-۸۹۶-رقم:۲۶۸۹)

یہ روایت بھی "مسند احمد" اور "الجامع الصغیر" میں بھی موجود ہے۔

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ابوسفیان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے بچانا اس غرض سے تھا کہ انہوں نے ابوسفیان کو عارضی امان دے رکھی تھی نہ کہ وہ قرابت داری کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں کے درمیان حائل ہو گئے تھے۔

تحفظ دینے کا مقصد راہ ہدایت پر لانا تھا

یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ ابوسفیان کا معاملہ ہو یا عبداللہ بن ابی سرح کا انہیں بچانے والے جلیل القدر صحابہ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا مقصد انہیں کفر اور بغاوت کی حالت پر برقرار رکھتے ہوئے تحفظ دینا نہیں تھا، بلکہ ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ یہ دشمنان دین اب اسلام قبول کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی طلب کرنے کے لیے بطیب خاطر آمادہ ہو چکے تھے۔ پھر یہ جلیل القدر صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار اور شان کریمی سے بھی واقف تھے، اس لیے انہوں نے انہیں وقتی طور پر تحفظ فراہم کیا۔ اسی طرح موصوف نے عبداللہ بن ابی سرح کے واقعہ سے بھی غلط استدلال کرنے کی کوشش کی ہے جنہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے سامنے پیش کیا تھا اور اسے معاف کرنے کی سفارش کی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے سفارش کرنے پر اپنا رخ انور پھیر لیا تھا، لیکن جب حضور ﷺ نے انہیں سفارش پر مصر پایا تو اسے معافی عطا فرما دی، لیکن پھر بھی اپنے صحابہ سے فرمایا کہ میں اتنی دیر اس لیے خاموش رہا کہ تم میں سے کوئی اُٹھے اور اس کی گردن اُڑا دے۔ یہاں بھی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اسے تحفظ فراہم کرنا اور طلب امان کے لیے حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرنا اسی غرض سے تھا کہ وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور توبہ کر کے اسی دین میں شامل ہو جائے جس سے وہ نکل گیا تھا۔ تعجب ہے کہ موصوف یہ بات سمجھنے سے بھی قاصر ہیں کہ قرابت داری کا بے جا لحاظ کرنا اور معاملہ ہے اور شریعت کے ضابطوں کے تابع رہ کر کسی قرابت دار کا لحاظ کرنا جس سے اسلام کو ضرر نہ پہنچے دوسرا معاملہ ہے۔ چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس بات سے واقف تھے کہ حضور ﷺ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شاتم کو معاف فرما سکتے ہیں اسی لیے انہوں نے طلب معافی کے لیے عبداللہ بن ابی سرح کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا اور اس کی سفارش کی۔ روایت کے متن میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضور ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ کوئی شخص موقع پا کر اسے قتل کر دے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شتم رسول کے ارتکاب پر ہی مباح الدم ہو چکا تھا۔ اگر معاملہ محض ارتداد کا ہوتا تو حضور ﷺ کو اسے معاف کرنے اور اس کا اسلام قبول کرنے میں تامل نہ ہوتا، جبکہ انہیں معافی اس لیے عطا ہوئی کہ حضور ﷺ کو معاف کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کا واقعہ

آخر میں انہوں نے ایک واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کا بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک موقع پر سیدنا معاویہ کی مجلس میں ابن یامین نضری سے کعب بن اشرف کے قتل کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اسے بدعہدی کرتے ہوئے قتل کیا گیا تھا۔ اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، جو اس مجلس میں موجود تھے۔ سیدنا امیر معاویہ سے کہا کہ آپ کی مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بدعہدی کرنے کی نسبت کی جا رہی ہے اور آپ اس پر کوئی انکار نہیں کر رہے''۔

(بیھقی، دلائل النبوۃ: ۳۔۱۹۳۔ابن عساکر، تاریخ دمشق: ۵۵۔۲۷۵)

ابن یامین نضری کا تعلق بنو نضیر سے تھا۔ کعب بن اشرف (جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محاربہ اور عناد کی پاداش میں قتل کروایا تھا) کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ ابن یامین نے اگرچہ اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن قبائلی عصبیت باقی تھی۔ غالباً اس کی رعایت سے سیدنا معاویہ نے نہ تو ازخود اس کا مواخذہ کیا اور نہ محمد بن مسلمہ کے احتجاج کرنے پر ہی ان کے خلاف کوئی تادیبی اقدام کیا۔

(توہین رسالت کی سزا کا مسئلہ: ۷۷)

موصوف کا اس واقعہ سے استدلال کرنا بھی کئی اعتبارات سے باطل قرار پاتا ہے۔ ابن یامین کے الفاظ پر غور کریں:

اولاً ابن یامین نضری نے جو الفاظ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیان کیے ان میں عہد شکنی یا بدعہدی کے الفاظ کہیں نہیں ملتے، البتہ لفظ ''غــدر'' استعمال کیا گیا جس کا معنٰی ہے دھوکہ، یعنی ابن یامین نضری نے یہ نہیں کہا کہ کعب بن اشرف کو بدعہدی کر کے قتل کیا گیا بلکہ روایت کے متن میں موجود لفظ ''غدر'' کی رو سے معنٰی یہ بنتا ہے کہ ابن اشرف کو دھوکے سے قتل کیا گیا۔ روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

قال ابن یامین : کان قتله غدراً ۔ پس ابن یامین نے کہا کہ اسے دھوکے سے قتل کیا گیا۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ابن یامین نے نہ تو قتل کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی اور نہ ہی بدعہدی کا انتساب حضور ﷺ کی ذات سے کیا، بلکہ ابن یامین نضری نے دھوکے کی نسبت حضرت محمد بن مسلمہ کی طرف کی، کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے ابن اشرف کو اعتماد میں لینے کے لیے آپ کی شان میں تعریضی کلمات کہنے کی اجازت لی تھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انہوں نے ابن اشرف کو اعتماد میں لے کر قتل کیا تھا اور یہودا سے دھوکہ سمجھنے میں ایک حد تک حق بجانب بھی تھے۔ لیکن حضرت محمد بن مسلمہ کا یہ اقدام کئی وجوہ کی بنیاد پر کلیۃً درست تھا کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کے حکم پر ہی اسے قتل کیا تھا۔ پھر انہوں نے ابن اشرف کو اعتماد میں لینے کے لیے جو اقدام کیے حضور ﷺ نے انہیں ان کی خصوصی اجازت عطا فرمائی تھی

، پھر ''الحرب خدعة'' کے تحت عمومی شرعی اجازت بھی انہیں حاصل تھی، چنانچہ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ابن یامین نضری سے صرف نظر کرنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اس کے ان کلمات کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی پر محمول نہیں فرمایا تھا۔

دوسری طرف حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے گستاخی رسول پر محمول سمجھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی حکم پر کیا۔ لہذا انہوں نے دھوکہ کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سمجھتے ہوئے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے احتجاجاً یہ کہا تھا:

یامعاویة ایغدر عندك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ثم لا تنکر؟ والله لا یظلنی وایاك سقف بیت ابداً ولا یخلولی دم هذا الا قتلته	اے معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دھوکے کی نسبت کی جائے اور آپ اس پر نکیر نہ کریں۔ بخدا میں اور آپ کبھی ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتے اور یہ شخص (ابن یامین) اگر میرے ہاتھ آیا تو میں اسے قتل کردوں گا۔

یہاں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صحابہ

گستاخ کو مباح الدم اور واجب القتل ہی سمجھتے تھے، البتہ حضرت معاویہ کے سکوت کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ابن یامین کے گستاخانہ کلمات کی نسبت حضور ﷺ کی طرف نہ سمجھی ہو، اگر وہ بھی حضرت محمد بن مسلمہ کی طرح یہ سمجھتے کہ یہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی ہے تو کم از کم ابن یامین کی گرفت ضرور فرماتے۔

یہ قرابت داری کا لحاظ نہیں تھا

ثانیاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ابن یامین نضری نے کعب بن اشرف کے بارے میں کہا کہ اسے دھوکے سے قتل کیا گیا تھا۔ لہذا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا وہ اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے ابن یامین نضری کے ان کلمات کو گستاخی رسول پر محمول فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے خلاف اقدام کرنے کے لیے احتجاج بھی کیا، لیکن موصوف کے بقول انہوں نے ابن یامین نضری سے صرف نظر فرمایا۔ گویا موصوف کے مطابق انہوں نے اہانت کے مرتکب ایک شخص سے صرف نظر کیا تو کیا ان کی ابن یامین سے کوئی قرابت داری تھی جس کا لحاظ کرتے ہوئے انہوں نے حضرت محمد بن مسلمہ کے مطالبہ کے باوجود ابن یامین نضری سے صرف نظر کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی قرابت داری ثابت نہیں، کیونکہ وہ کعب بن اشرف کے قبیلے بنو نضیر سے تھا، جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق مکہ مکرمہ سے تھا۔ قبول اسلام سے پہلے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ میں شامل تھے جبکہ ابن یامین نضری قبول اسلام سے پہلے یہودی تھے۔

حضور ﷺ نے بھی اسے گستاخی نہیں سمجھا تھا

ثالثاً جب کعب بن اشرف کو قتل کیا گیا تو ہجو گوئی کے باعث اس کا عہد ٹوٹ چکا تھا اور وہ مباح الدم ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کو قتل کرنا جائز تھا، لیکن یہودی چونکہ اس بات سے بے خبر تھے اس لیے وہ کعب کے قتل کے بعد حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کی:

"ہمارے سردار پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا گیا اور اسے بے گناہ دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ ہمیں اس کے کسی جرم کی خبر نہیں ہے۔"

یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر وہ دوسرے یہودیوں کی طرح معاہدہ کی پاسداری کرتا تو کوئی اسے دھوکے سے قتل نہ کرتا، لیکن اس نے ہمیں اذیت دی اور اشعار کے ذریعے ہماری ہجو گوئی کی اور تم میں سے جو کوئی ایسی حرکت کرے گا وہ تہ تیغ کیا جائے گا۔

یہ روایت ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسے دھوکے سے قتل کرنے کا الزام تو بنو نضیر کے یہودیوں نے خود حضور ﷺ کے روبرو بھی لگایا تھا۔ جس کے جواب میں حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر وہ اپنے معاہدے کی

پاسداری کرتا تو کوئی اسے دھوکے سے قتل نہ کرتا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے خود اپنی زبان اقدس سے اعتراف فرمایا تھا کہ ہاں اسے دھوکے سے قتل کیا گیا تھا کیونکہ وہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہا تھا، چنانچہ ہوسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہ معاملہ ہو جس کی بنا پر انہوں نے سکوت فرمایا ہو اور اسے گستاخی پر محمول نہ فرمایا ہو، کیونکہ حضور ﷺ نے یہودیوں کے اس لغو اعتراض کو خود بھی اہانت اور تنقیص پر محمول نہیں فرمایا تھا اور ان یہودیوں سے صرف نظر فرمایا تھا۔ جبکہ ممکن ہے کہ ابن یامین نضری نے یہود کے ہاں پائے جانے والے اس عمومی تاثر کی بنا پر ہی کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کرنے کی بات کی ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سکوت کی اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ اگر موصوف کے بقول وہ ابن یامین نضری سے اس بنا پر صرف نظر فرماتے کہ وہ قبائلی عصبیت کی بنا پر ایسا کہہ رہے تھے تو کم از کم حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے احتجاج پر وہ انہیں تنبیہ ہی فرما دیتے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ ان کے سکوت کا سبب یہ ہو کہ انہوں نے حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے راہنمائی لیتے ہوئے اسے گستاخی پر محمول نہ فرمایا ہو۔ دوسری طرف حضرت محمد بن مسلمہ نے اسے بہر حال گستاخی پر محمول سمجھا۔ اسی لیے انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی علی الاعلان بیزاری کا اظہار کیا اور ابن یامین کے بارے میں بھی کہا کہ اگر یہ میرے ہاتھ لگ گیا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا عتاب

اسی طرح کا ایک واقعہ واقدی نے نقل کیا ہے:

''مجھے ابراہیم بن جعفر نے اپنے باپ کے حوالے سے بتایا کہ مروان بن حکم مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ اس نے پوچھا کعب بن اشرف کا قتل کیسے ہوا؟ ابن یامین نضری پاس بیٹھا تھا، اس نے کہا، غدر اور دھوکے سے، وہاں محمد بن مسلمہ جو انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے، تشریف فرما تھے، کہنے لگے اے مروان کیا تیرے پاس رسول اللہ ﷺ کو دھوکے باز کہا جائے گا؟ بخدا ہم نے کعب بن اشرف کو رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قتل کیا تھا۔ بخدا! میں مسجد کے علاوہ کبھی تیرے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں آؤں گا، جہاں تک اے ابن یامین تیرا تعلق ہے، اللہ کی قسم میرا بس چلا اور میرے ہاتھ میں تلوار ہوئی تو تیرا سر اُڑا دوں گا۔ اس کے بعد ابن یامین جب کبھی بنی قریظہ میں اترتا تو آدمی بھیج کر محمد بن مسلمہ کا پتہ کروالیتا۔ اگر وہ باہر کسی زمین کی خبر گیری کے لیے گئے ہوئے ہوتے تو وہ اترتا اور کام پورا کر کے واپس چلا جاتا۔ اگر حضرت محمد بن مسلمہ وہاں موجود ہوتے تو اترنے کی جرأت نہ کرتا۔ ایک دفعہ حضرت محمد بن مسلمہ ایک جنازہ میں شامل تھے اور ابن یامین بھی بقیع میں تھا، اس کی نظر حضرت محمد بن مسلمہ پر پڑ گئی تو اس نے اپنے آپ کو چھڑیوں سے ڈھانپ لیا اور خیال کرنے لگا کہ وہ اسے نہیں دیکھ سکیں گے۔ حضرت محمد بن مسلمہ تیزی سے آگے بڑھے تو لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور

کہنے لگے اے ابوعبدالرحمٰن آپ کیا کرر ہے ہیں، یہ کام ہم بھی کر سکتے تھے۔

فقام الیہ فلم یزل یضربہ بھا، جریدۃ حتی کسر ذلك الجرید علی وجھہ ورأسہ حتی لم یترك بہ مصحاً، ثم ارسلہ ولا طباخ بہ، ثم قال: واللہ لوقدرت علی السیف لضربتك بہ	مگر وہ اس کی طرف بڑھے اور اسے انہی چھڑیوں سے پیٹنے لگے یہاں تک کہ تمام چھڑیاں اس کے سر اور چہرے پر توڑ دیں پھر اسے بے حس و بے حرکت چھوڑ کر فرمایا: بخدا میرے پاس تلوار ہوتی تو تیری گردن اُڑا دیتا۔

(المغازی:۱۔۱۹۲،۱۹۳)

موصوف خود ہی غور فرمائیں

جلیل القدر صحابہ کے اس موقع پر بالکل مختلف طرز عمل اختیار کرنے کی حکمت وہی ہو سکتی ہے جسے ہم نے بیان کر دیا ہے نہ کہ وہ حکمت جسے موصوف نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبائلی عصبیت کا لحاظ کرتے ہوئے ابن یامین نضری سے صرف نظر فرمایا۔

بفرض محال اگر موصوف کی بات درست تسلیم کر لی جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن یامین سے ان کی بیان کردہ حکمت کی وجہ سے صرف نظر فرمایا تو وہ حضرت محمد بن مسلمہ کے اقدام کی کیا توجیہ فرمائیں گے؟ یقیناً اس کا جواب ان کے ذمے ہے،

اگر وہ اپنی بیان کردہ حکمت پر ہی مصر رہیں۔ اسی طرح انہیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیزاری کا اظہار فرمایا، کیا وہ اس میں حق بجانب تھے؟ اور سب سے بڑھ کر اس بارے میں رائے قائم کرنا ہوگی کہ دونوں صحابہ میں کس کا اقدام درست تھا اور کس کا غلط؟ اور یہ کہ آج ہم کس کے اقدام سے دلیل پکڑیں اور کس بنیاد پر؟ الغرض موصوف کی بنیاد کردہ حکمت کو درست ماننے سے سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جن کے جوابات وہ خود ہی دے سکتے ہیں۔

عملی مجبوری یا ضرورت کی اہمیت

اس عنوان کے تحت موصوف نے یہ لکھا ہے کہ جبر و اکراہ کی حالت میں جیسے کوئی دوسرا کلمہء کفر کہنے کی رخصت ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی شان میں (نعوذ باللہ) تنقیص کا کلمہ کہنے کی بھی اجازت ہے۔ اس عنوان کے تحت انہوں نے دو واقعات نقل کیے ہیں۔ پہلا واقعہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے، جن پر مشرکین نے جبر کیا اور انہیں اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بُرا بھلا نہ کہا اور ان مشرکین کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔ جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی تو حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ اس وقت تمہارے دل کی کیفیت کیا تھی؟ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وقت میرا دل ایمان پر پوری طرح مطمئن تھا، جس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر مشرکین تمہیں دوبارہ بھی اس پر مجبور کریں تو تم ایسا کر کے جان چھڑا لینا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حالت جبر میں کفریہ کلمات کہے جا سکتے ہیں تو اُصولی طور پر یہ بات دو قیود کے ساتھ درست ہے جن کی طرف متن حدیث میں بھی واضح اشارہ موجود ہے۔ پہلی شرط یہ کہ کسی انسان پر حقیقی اور کامل جبر واقع ہو، یعنی مجبور کی جان جانے کا حقیقی خطرہ موجود ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جب کوئی مجبور ایسے کفریہ کلمات کہے تو اس کی قلبی حالت یہ ہو کہ وہ ایمان پر قائم اور ثابت ہو۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اسے رخصت پر ہی عمل سمجھا جائے گا نہ کہ یہ عزیمت کا راستہ ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تپتی ریت پر اپنے جسم کو جلا ڈالا،

لیکن احد احد کی صدائیں بلند کرتے رہے۔ کئی صحابہ پر ایسا جبر واقع ہوا کہ ان کے جسم کی چربی پگھل گئی لیکن وہ عزیمت کے راستے سے بال برابر بھی پیچھے نہ ہٹے۔ صاف ظاہر ہے کہ رخصت پر عمل کرنے کا جواز موجود ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صاحب عزیمت کا عمل افضل ہوتا ہے۔

اب اس روایت پر بات کرتے ہیں جو موصوف نے پیش کی ہے۔ درست ہے کہ اس میں شتم رسالت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے جس کی بنیاد پر ہی موصوف نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حالت جبر میں حضور ﷺ کی شان میں تعریضی کلمات کہے جا سکتے ہیں۔

اولاً اس روایت اور اس طرح کی دیگر روایات کو کئی مفسرین نے سورۂ نحل کی آیت نمبر 106 کے سبب نزول کے طور پر بیان کیا ہے لیکن اس آیت میں حالت جبر میں کلمہ ٔکفر کے کہنے کی صراحت تو موجود ہے لیکن کلمہ ٔشتم کہنے کا ذکر موجود نہیں۔

کلمات کفر اور کلمات شتم میں فرق

ہو سکتا ہے کہ بعض قارئین یہاں کلمات کفر اور کلمات شتم میں فرق جاننا چاہتے ہوں تو ان کی سہولت کے لیے ہم عرض کیے دیتے ہیں کہ امام سبکی اور امام ابن عابدین شامی غیر ہم نے یہ تصریح کی ہے کہ سب وشتم شناعت میں کفر سے بڑھ کر ہے، حالانکہ یہ شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت کے حوالے سے نرم گوشہ رکھتے ہیں، جبکہ متاخرین احناف نے سبّ وشتم کے نتیجے میں واقع ہونے والے ارتداد کو عام ارتداد

نہیں بلکہ ارتداد خاص یا ارتداد مغلظہ قرار دیا ہے اور اس کے مرتکب کو زندیق قرار دیا ہے جس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔

مالکیہ، حنابلہ اور بعض شوافع بھی اسے زندیق کہتے ہیں اور اس کی توبہ ان کے ہاں بھی مقبول نہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کلمات سبّ و شتم کلماتِ کفر سے قبیح تر ہیں۔ کلماتِ کفر کہنے والا تجدید ایمان کے بعد اسلام میں داخل ہو سکتا ہے لیکن کلمات سبّ و شتم کہنے والا زندیق قرار پاتا ہے اور اس پر اسلام کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

اب اس ارشاد الٰہی پر بات کرتے ہیں:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهٖٓ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہو سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

(پ ۱۴، النحل:۱۰۶)

دیگر روایات میں کلماتِ شتم کا ذکر نہیں ہے

ثانیاً اس مضمون کی دیگر روایات میں سے بھی بعض میں صرف کلمات کفر کہنے کی تصریح موجود ہے ان میں بھی کلمات شتم کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ درج ذیل روایات سے ثابت ہے:

پہلی روایت: پہلی روایت میں ہے۔امام ابوجعفر طبری لکھتے ہیں:

حدثنا بشر، قال: ثنا يزيد، قال: ثنا سعيد، عن قتادة: "مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ" قال: ذكر لنا انها نزلت في عمار بن ياسر، اخذه بنو المغيرة فغطوه في بئر ميمون وقالوا: اكفر بمحمد! فتابعهم على ذلك وقلبه كاره، فانزل الله تعالىٰ ذكره "إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا" اى من اتى الكفر على اختيار واستحباب "فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ"

(جامع البیان: جلد،۸۔ صفحہ:۲۳۷۔ رقم:۱۶۵۶۲)

"ہمیں بشر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہمیں یزید نے وہ کہتے ہمیں سعید نے حضرت قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ ''جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہوسو اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو'' حضرت قتادہ نے کہا، ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ کو قبیلہ بنو مغیرہ کے کفار نے پکڑ کر بیرِ میمون میں چھپا دیا اور کہا محمد ﷺ کا کفر کر تو حضرت عمارؓ نے بادل نخواستہ اس پر ان کی بات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر نازل فرما دیا۔مگر جسے مجبور کیا گیا اس کا دل ایمان پر مطمئن رہا۔جنہوں نے کفر بطور اختیار اور پسندیدگی کی وجہ سے کیا ان پر اللہ کا غضب اور عذاب عظیم ہے۔

دوسری روایت: دوسری روایت میں ہے:

واخرجه الفاکهی من مرسل زید بن اسلم ان ذلك وقع من عمار عند بیعة الانصار فی العقبة وان الکفار اخذوا عمارا فسالوه عن النبی ﷺ فجحدهم خبره فارادوا ان یعذبوه فقال هو یکفر بمحمد وبما جاء به فاعجبهم واطلقوه فجاء الی النبی ﷺ فذکر نحوه وفی سنده ضعف ایضاً

(فتح الباری:۱۲۔۲۶۳)

امام فاکہی نے زید بن اسلم کی منقطع روایت کے ساتھ اس کو تخریج کیا ہے کہ حضرت عمار سے یہ عقبہ میں بیعت انصار کے وقت صادر ہوا اور یہ کہ کفار نے حضرت عمار کو پکڑ کر ان سے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھا حضرت عمار نے آپ ﷺ کے بارے میں بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ تو انہوں نے آپ کو سخت عذاب دینے کا ارادہ کیا تو حضرت عمارؓ نے کہا میں سیدنا محمد ﷺ اور ان کے لائے ہوئے دین کا کفر (انکار) کرتا ہوں حضرت عمار کا یہ ردعمل کفار کو اچھا لگا اور انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ پھر حضرت عمارؓ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسی طرح بیان کیا لیکن اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔

تیسری روایت: تیسری روایت میں ہے:

وآخرج عبد بن حمید من طریق ابن سیرین ان رسول اللہ ﷺ لقی عمار بن یاسر وھو یبکی فجعل یمسح الدموع عنہ ویقول اخذك المشرکون فغطوك فی الماء حتی قلت لھم کذا ان عادوا فعد ورجالہ ثقات مع ارسالہ ایضاً	عبد بن حمید نے ابن سیرین کے طریق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمار بن یاسر سے ملے اس حال میں کہ حضرت عمار رو رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے آنسوؤں کو صاف فرما کر کہنے لگے تمہیں مشرکین نے پکڑ کر کنویں میں چھپا دیا یہاں تک کہ تم نے ان کے لئے اس طرح کہا (یعنی کلمہ کفر) اگر وہ دوبارہ تمہیں تعذیب دینے کا ارادہ کریں تو تم دوبارہ اس طرح کہہ دینا۔اس حدیث کے
(فتح الباری:۱۲۔۲۶۳)	راوی ثقہ ہیں نیز یہ مرسل بھی ہے۔

ثالثاً یہ روایات مراسیل میں سے ہیں بلکہ امام ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں اس مضمون کی دیگر روایات کو بھی مراسیل ہی کہا ہے اوران کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے قوت پاتی ہیں۔

ہم موصوف کی طرح ان کے حجت ہونے کا انکار نہیں کر رہے، جیسا کہ انہوں نے واقعہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مراسیل کو قبول نہ کر کے کیا ہے جس کا تذکرہ ان کی کتاب ''توہین رسالت کا مسئلہ'' کے صفحات ''۹۹'' اور ''۱۰۰'' پر موجود ہے۔

ہمارا ان روایات پر نکتۂ نظر یہ ہے کہ حالت جبر میں کلمۂ کفر کہنے کی رخصت موجود ہے جیسا کہ نص قرآنی میں بھی تصریح موجود ہے لیکن کلمات شتم کا ذکر چونکہ اس مضمون کی دیگر روایات میں بھی موجود نہیں لہذا ان کے مفہوم میں کلمات شتم کو بھی

بالجزم شامل کرنا تجاوز ہے۔

دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ ان مراسیل کے متن میں یکسانیت نہیں ہے، لہذا اس صورت میں صرف مراسیل میں ان کا متن قابل احتجاج سمجھا جائے گا جو نصوص سے متعارض نہیں ہوگا، اس اعتبار سے بھی موصوف کی پیش کردہ مرسل روایت قابل احتجاج نہیں رہتی۔

رابعاً بعض مفسرین نے آیت مذکورہ کے سبب نزول کے طور پر دو اور روایات بھی نقل کی ہیں، جن میں حالت جبر میں کلمات کفر کہنے کا تو ذکر موجود ہے لیکن کلمات شتم کا ذکر نہیں ہے۔ امام مجاہد سے مروی ہے:

نزلت فی ناس من اهل مكة آمنوا فكتب اليهم المسلمون بالمدينة ان هاجروا فانا لا نراكم منا حتى تهاجروا الينا۔ فخرجوا يريدون المدينة فادركتهم قريش بالطريق ففتنوهم مكرهين، وفيهم نزلت هذه الآية

(جامع اسباب النزول:۲۰۲)

یہ آیت اہل مکہ کے کچھ مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی تو مدینہ طیبہ کے مسلمانوں نے انہیں خط لکھا کہ تم ہجرت کرو کیونکہ جب تک تم ہجرت نہ کرلو ہم تمہیں اپنوں میں سے نہیں دیکھتے تو وہ لوگ مدینہ طیبہ کا ارادہ کرتے ہوئے مکہ سے نکلے تو راستہ میں قریش نے ان کو پکڑ لیا اور انہیں مجبور کر کے فتنہ میں مبتلا کیا (یعنی ان سے کلمہ کفر کہلوایا) ان کے بارے یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی:

واخرج ابن ابی حاتم عن محمد بن سیرین قال: نزلت هذه الآیة "الا من اکره" فی عیاش بن ابی ربیعة (الدر المنثورة: ۵۔۱۷۱)

امام ابن ابی حاتم، محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت "الا من اکرہ" عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

متن میں تعارض

خامساً جامع اسباب نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اگرچہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہی اس آیت مبارکہ کا سبب نزول بیان کیا گیا ہے لیکن یہاں جو روایت بیان کی گئی ہے اس میں حضور ﷺ کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عمار سے کفر ہو گیا جس پر حضور ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ کے ایمان کی گواہی دی۔ مکمل روایت ملاحظہ ہو:

قال ابن عباس :نزلت فی عمار بن یاسر، و ذلك ان المشرکین اخذوه واباه یاسراً وامه سمیة، وصهیباً وبلالاً وخباباً وسالماً فاما سمیة : فانها ربطت بین بعیرین ووجیء قبلها بحربة، وقیل لها: انك اسلمت من اجل الرجال فقتلت وقتل زوجها یاسر،

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ آیت مبارکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین نے آپ کو اور آپ کے والد حضرت یاسر کو اور آپ کی والدہ حضرت سمیہ کو اور حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت سالم کو پکڑ لیا، حضرت سمیہ کو تو انہوں نے دو اُونٹوں کے درمیان باندھ کر ان کی شرمگاہ میں نیزہ آر پار کر دیا

وھما اول قتیلین فی الاسلام۔ واما عمار: فانه اعطاھم ماارادوا بلسانه مکرھاً فاخبر النبی ﷺ بان عماراً کفر، فقال: "کلا ان عماراً ملیء ایماناً من قرنه الی قدمه، واختلط الایمان بلحمه ودمه"۔ فاتی عمار رسول الله ﷺ وھو یبکی، فجعل رسول الله علیه السلام یمسح عینیه وقال: "ان عادوا لك فعد لھم بما قلت" فانزل الله تعالیٰ ھذه الآیة

(جامع اسباب النزول:۲۰۲)۔

اور انہیں کہا گیا کہ تم نے مردوں سے خواہش پوری کرنے کی وجہ سے اسلام قبول کیا سو انہیں شہید کر دیا گیا اور ان کے شوہر حضرت یاسر کو بھی شہید کر دیا گیا اور یہ دونوں اسلام کے سب سے پہلے شہید تھے اور رہے حضرت عمارؓ تو انہوں نے ان سے جبریہ کفر کا کلمہ کہلوایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوگئی کہ حضرت عمارؓ نے کلمہ کفر کہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں عمار تو سر تا بقدم ایمان سے مملو ہے اور ان کے گوشت اور خون میں ایمان پیوست ہو چکا ہے۔ پھر حضرت عمارؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ ان کی آنکھوں سے آنسو صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے اگر وہ تم سے دوبارہ جبراً کلمہ کفر کہلوائیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں روایات میں بھی تعارض ہے۔ ان کی

طرف سے پیش کردہ ''مستدرک'' کی روایت میں یہ ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا کہ کلمات کفر کہتے ہوئے آپ کے دل کی حالت کیا تھی؟ جبکہ مذکورہ روایت میں یہ خبر پاکر کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کفریہ کلمات کا صدور ہوا، حضور ﷺ نے شاندار الفاظ میں ان کی گواہی دی۔

سادساً حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے واقعہ کو بنیاد بنا کر کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے پہلے ان باتوں پر بھی غور کرنا چاہیے:

حضور ﷺ حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر مظالم سے آگاہ نہ تھے؟

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پر مشرکین کی طرف سے کیے جانے والے جبر سے حضور ﷺ بخوبی آگاہ تھے۔ حضرت عمار کے والد یاسر رضی اللہ عنہ دراصل یمن میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ جب وہ اپنے بھائی کے ہمراہ مکہ مکرمہ آئے تو وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز حضرت سمیہ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا جو کہ کنیز تھیں، ان سب کا اسلام لانا مشرکین پر بہت شاق گزرا۔ چنانچہ انہوں نے ان تینوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت یاسر رضی اللہ عنہ ان کے تشدد کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے، جبکہ ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابو جہل نے اس زور سے برچھی ماری کہ وہ تڑپ تڑپ کر شہید ہو گئیں۔ بلاشبہ ان

کے والد اور والدہ اسلام کے پہلے شہداء میں سے ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ زندہ رہے اور مدتوں مشرکین مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے، کبھی ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر سخت گرم دھوپ میں بٹھایا جاتا اور کبھی ان کے بدن کو آگ سے جلایا جاتا، جب یہ اذیت ناک مراحل گزر جاتے تو سرکار دو عالم ﷺ تشریف لاتے اور ان کے جلے ہوئے بدن پر اپنا دست شفقت پھیرتے ہوئے یہ پڑھ کر دم فرماتے:

یانار کونی برداً وسلاماً علی عمار کما کنت علی ابراهيم (سیرت حلبیه:۲۔۳۲۷)	اے آگ تو عمار کے لیے اسی طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے لیے بنی تھی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب ان پر جسمانی تشدد کیا جا رہا ہوتا تو رحمت عالم ﷺ اپنی زبان اقدس سے انہیں یہ خوشخبری سناتے:

اصبروا یا آل یاسر! فان موعد کم الجنة (طبقات ابن سعد:۳۔۱۷۸)	اے آل یاسر! صبر کرو بلاشبہ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے مناقب

اب ذرا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ایمان کے بارے میں بھی چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی پاک ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اذنوا له مرحباً بالطيب المطيب اس کو اجازت دو مرحبا اس پاک اور پاک کیے گئے کو۔
(سنن ابن ماجه: جلد۱، صفحہ۳۰، رقم:۱۴۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے ایمان کے بارے میں فرمایا:

ملیء عمار ایمانا الی مشاشه عمار ایمان سے بھرا ہوا ہے مشاش تک۔
(سنن ابن ماجه: جلد۱، صفحہ۳۰، رقم:۱۴۷)

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے بارے میں اگر میں کچھ کہنا چاہوں تو نہ کہہ سکوں، ماسوا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ان عمار بن یاسر حشی ما بین اخمص قدمیه الی شحمة اذنیه ایماناً عمار اپنے قدموں کے تلووں سے لے کر کانوں کی نرم ہڈی تک ایمان سے مملو ہے۔
(الاستعیاب:۳۔۲۲۸، ۲۲۹)

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ انہیں شیطان سے محفوظ کیا گیا ہے۔ اپنے بعد ان کی سیرت کو اپنانے کا حکم دیا، جیسا کہ بخاری شریف اور ترمذی شریف کی روایات سے ثابت ہے۔

اس لیے تابعی کی محض اس مرسل روایت کی بنا پر جس کا تعارض نہ صرف نص قرآنی سے ہے بلکہ دیگر متعدد روایات سے بھی ہے یہ حجت قائم نہیں ہوتی کہ حالت جبر میں کلمات شتم کہنے کی بھی اجازت موجود ہے۔

کعب بن اشرف کے قتل کی حقیقت

اسی طرح انہوں نے دوسرا واقعہ حضرت محمد بن مسلمہ کا نقل کیا ہے، جنہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی تھی اور حضور ﷺ سے یہ اجازت بھی لی تھی کہ وہ کعب بن اشرف کو اعتماد میں لینے کے لیے حضور ﷺ کے بارے میں کچھ ناروا باتیں بھی کہہ لیں، چونکہ حضور ﷺ نے اس کی اجازت دیدی تھی،۔ لہذا آج بھی اگر کوئی اس مقصد کے لیے حضور ﷺ کے بارے میں تعریضی کلمات کہتا ہے تو یہ جائز ہوگا اور اس پر توہین رسالت کا الزام نہیں آئے گا۔

یہاں بھی یہ بات پیش نظر رہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ کے بعد جتنے بھی شاتمین جہنم واصل ہوئے ان کے مارنے والوں نے کبھی بھی اس جنگی تدبیر کا سہارا نہ لیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک مخصوص صورتحال تھی، کیونکہ خود حضور ﷺ نے جن شاتمین کو جہنم واصل کرنے کا حکم فرمایا اس پر نہ کسی نے حضور ﷺ سے یہ اجازت مانگی اور نہ ہی حضور ﷺ نے یہ اجازت دی۔ اس مخصوص صورتحال کا پس منظر بھی واضح ہے، کیونکہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے رشتہ داروں میں سے تھے اور انہیں قتل کرنے کی حکمت عملی تبھی کامیاب ہو سکتی تھی جب وہ اسے اعتماد میں لینے کے لیے حضور ﷺ کی شان میں تعریضی کلمات کہتے۔ چنانچہ اس حکمت عملی کو درست سمجھتے ہوئے حضور ﷺ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت دی۔ آج کے دور میں جدید ترین آلات قتل موجود ہیں لہذا کسی شخص کو مخاطب یا اس سے مکالمہ کیے بغیر

بھی اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ حکمت عملی اب مطلوب نہیں رہی بلکہ اب تو توہین رسالت کے ملزم سے نمٹنے کے لیے قانون بھی بن چکا ہے، لہٰذا اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے اور موصوف نے اپنی تالیف میں اس کی دہائی بھی دی ہے۔

موصوف سے یہ سوال ہے کہ اگر ان کی بات مان بھی لی جائے کہ مخصوص صورتحال میں شاتم کو قتل کرنے کے لیے تعریضی کلمات کہنے کی اجازت ہے تو کیا اس طرح ان کے خیالات کے مطابق شاتم کو ماورائے عدالت یوں قتل کرنا جائز ہو جائے گا؟ اگر اس صورت میں جائز ہے جس میں بظاہر تعریضی کلمات کہنے کی قباحت بھی موجود ہے تو جہاں تعریضی کلمات کہے بغیر شاتم کو قتل کیا جاتا ہے تو کیا بطریق اولیٰ جائز نہیں ہوگا؟ اسے کہتے ہیں

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کا لحاظ

اس عنوان کے تحت موصوف نے کچھ واقعات نقل کیے ہیں جن سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کا لحاظ کرتے ہوئے توہین اور گستاخی کا رویہ اپنانے والے افراد سے صرف اسی مصلحت کے پیش نظر کوئی تعرض نہ کیا۔ انہوں نے اس ضمن میں عبداللہ بن ابی کا واقعہ نقل کیا ہے۔اس پر ہم نے تفصیلی بات پہلے کر دی ہے۔ دوسرا واقعہ ان منافقین کا بیان کیا ہے جنہوں نے نقاب پوش جتھے کی صورت میں حضور ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی تھی۔ تیسرا واقعہ جنگ حنین کے غنائم کی تقسیم کے موقع پر ذوالخویصر کا بیان کیا ہے جس نے غنائم کی تقسیم کے دوران آپ کو گستاخانہ انداز میں مخاطب کیا تھا۔ چوتھا واقعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پڑوسی کا ہے جن کے درمیان پانی کی تقسیم کا تنازعہ تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا تھا جسے سن کر ان کے پڑوسی نے گستاخانہ جملے ادا کیے تھے، لیکن حضور ﷺ نے انہیں کوئی سزا نہ دی۔ ان کے بیان کردہ پہلے تینوں واقعات منافقین کے بارے میں ہیں اور تینوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ان سے تعرض نہ فرمانے کی وجہ یہ نہیں بتائی جو موصوف نے بیان کی ہے، بلکہ ان تینوں واقعات میں حضور ﷺ نے ان سے صرف نظر کرنے کی ایک ہی حکمت بیان فرمائی کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

ہم نے پہلے عبداللہ بن ابی کے معاملے میں واضح کیا کہ حضور ﷺ منافقین

کو پہچانتے تھے، بعض جید صحابہ کو بھی ان کی خبر ہو گئی تھی، لیکن بالعموم ان کی شہرت حضور ﷺ کے ساتھیوں کی ہی تھی۔ اس لیے اس بات کا قوی امکان تھا کہ ان کو قتل کرنے کی صورت میں حضور ﷺ پر یہ الزام آتا کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے اور لوگ دعوت اسلام سے متوحش ہو جاتے۔

آج ہمیں نہ تو ایسے حالات کا سامنا ہے اور نہ خود حضور ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں کہ ان کے دامنِ نبوت پر کوئی الزام آنے کا خدشہ ہے۔ حضور ﷺ نے جن بھی حکمتوں کا لحاظ فرمایا وہ بالکل واضح اور مبرہن ہیں، اور صاف ظاہر ہے بطور خاص ان تینوں واقعات سے جڑی ہوئی حکمتوں کا تعلق حضور ﷺ کی ظاہری حیات سے تھا اور سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کو انہیں معاف کرنے کا حق واختیار حاصل تھا، جیسا کہ ہم نے پہلے تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

آخری واقعہ میں بھی حضور ﷺ نے صرف نظر اس لیے فرمایا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہمسائے نے حضور ﷺ کے روبرو ان پر جانبداری کا الزام لگایا تھا۔ اگر حضور ﷺ اسے معاف نہ فرماتے اور سزا دیدیتے تو یہ بات مشہور ہو جاتی کہ حضور ﷺ نے جانبداری اور طرف داری کرتے ہوئے اسے سزا دیدی (معاذ اللہ) اس کے علاوہ اسے سزا دینے میں کوئی امر مانع نہیں تھا اور نہ ہی اس سے مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کو کوئی خطرہ تھا۔ اگر ان چاروں واقعات میں کسی جگہ مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کو کوئی خطرہ درپیش ہو سکتا تھا تو وہ عبداللہ بن ابی

کو سزا دینے سے ہو سکتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے ایک مقام پر زبان نبوت سے اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا تھا، لیکن آپ ﷺ کے سامنے جو بڑی حکمت اس سے صرف نظر کرنے میں تھی وہ آپ نے یہی بیان فرمائی کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

آج مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر گستاخ رسول کو موت کی سزا کا حق دار سمجھتے ہیں اور کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں۔ لہذا اسے سزا دینے سے مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کو کوئی خطرہ نہیں، البتہ اگر اسے مختلف حیلوں اور بہانوں سے سزا سے بچانے کی کوشش کی جائے گی تو مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کو خطرات ہو سکتے ہیں۔ گویا خطرات کے موجبات اور اسباب بدل گئے ہیں، ویسے بھی ان حکمتوں کا فائدہ آج اُمت کسی شاتم کو نہیں دے سکتی جو حضور ﷺ نے بعض شاتمین سے صرف نظر کرتے ہوئے ملحوظ رکھیں، کیونکہ اُمت کے پاس اس کا اختیار ہی نہیں ہے۔ لہذا ان حکمتوں کا لحاظ رکھنا حضور ﷺ کے ساتھ ہی مخصوص تھا۔

اقدام کے عملی نتائج پر نظر

اس عنوان کے تحت ان کی نگارشات کا لب لباب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بعض گستاخوں کو اس لیے سزا دینے سے گریز فرمایا کہ ان کو سزا دینے سے بڑا فتنہ کھڑا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس مؤقف پر دو واقعات سے استدلال کیا:

پہلا واقعہ عبداللہ بن ابی سے صرف نظر کرنا ہے۔ موصوف نے پہلے ہی اس واقعہ سے اپنی طرف سے بیان کی گئی تین حکمتوں پر استدلال کیا ہے اور اب اسی واقعہ کو وہ یہاں بیان کر کے یہ نتیجہ اخذ فرما رہے ہیں کہ اس کے قتل سے بڑے فتنے کا اندیشہ تھا اس لیے اسے سزا نہ دی گئی۔ اس سے پہلے انہوں نے یہ واقعہ بیان کر کے ثابت کیا کہ اس کے قتل سے مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کو خطرہ تھا۔ اس سے پہلے وہ اس واقعہ کو رشتہ قرابت اور شخصی تعلقات کی رعایت کے ضمن میں بھی بیان کر چکے ہیں، جبکہ ان کی بیان کردہ تینوں حکمتیں حضور ﷺ کی اپنی زبان اقدس سے بیان کردہ حکمت سے بالکل مختلف ہیں۔ انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید میں مولانا مودودی کی ''تفہیم القرآن'' کا جو اقتباس پیش کیا ہے اس سے بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ حضور ﷺ کے پیش نظر یہ بات نہیں تھی کہ وہ پہلے عبداللہ بن ابی کی پشت پر موجود اصل سیاسی طاقت کا حکمت اور تدبر کے ساتھ استیصال کر لیں جس کے بل پر وہ شرارت کر رہا تھا، اور نہ ہی آپ نے اس کا تذکرہ فرمایا اور نہ ہی اس جانب کوئی اقدام فرمایا۔ آپ نے اس کے قتل سے صرف اس لیے گریز فرمایا کہ وہ عام صحابہ میں حضور ﷺ کے ساتھی کے طور پر جانا جاتا تھا اور حضور ﷺ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اسے قتل کرنے کی صورت میں وہ عام صحابہ یا دیگر مذاہب سے وابستہ لوگ حضور ﷺ کی طرف یہ بات منسوب

کرنے لگیں کہ حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کروا دیتے ہیں۔

ہمیں اُصولی طور پر مولانا مودودی کے اس مؤقف سے اتفاق ہے کہ کسی واجب القتل شخص کو فتنہ کے اندیشہ کے باعث قتل کرنے کے لیے رک جانا کبھی کبھار بہتر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم نے واضح طور پر یہ فرمادیا:

الفتنة اشد من القتل (البقرة:۱۹۱) فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔

لیکن اس اُصول کا اطلاق عبداللہ بن ابی کے معاملے پر درست نظر نہیں آتا۔

ساحر اور شاتم میں فرق ہے

انہوں نے دوسرا واقعہ لبید بن الاعصم کا نقل کیا ہے جس نے حضور ﷺ پر جادو کر دیا تھا، تو آپ نے اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں فرمایا تھا۔ اس واقعہ کو دراصل اس نظر سے دیکھنا چاہیے کہ جادو کے ذریعے حضور ﷺ کو جسمانی اذیت دی گئی اور ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ حضور ﷺ کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیتے تھے۔ اس سے قبل ہم ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت نقل کر چکے ہیں۔ بطور خاص اس واقعہ کے حوالے سے "فتح الباری" میں ہی یہ تصریح موجود ہے۔

وانما لم یقتل النبی ﷺ لبید بن الاعصم لانه کان لاینتقم لنفسه (فتح الباری: جلد۱۰، صفحہ:۱۹۴)

اور نبی ﷺ نے لبید بن الاعصم کو قتل نہ کیا کیونکہ آپ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔

شارحین حضور ﷺ کے کسی بھی عمل مبارک کی وضاحت کرتے ہوئے متعدد امکانات کو زیر بحث لاتے ہیں لیکن یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ جس مسئلہ کی

وضاحت خود متن حدیث سے ہو جائے تو اقوال اُمت کو اس پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔
اب اس روایت کو دیکھ لیں جس کا ذکر موصوف نے کیا ہے۔ اس میں حدیث کے متن میں یہ قرینہ واضح طور پر موجود ہے کہ حضور ﷺ نے کنویں میں سے ان چیزوں کو نہ نکالا جن پر جادو کیا گیا تھا، کیونکہ حضور ﷺ کو اندیشہ تھا کہ اس طرح لوگوں میں شر پھیل سکتا ہے۔ اس حوالے سے آپ کا جو مکالمہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا وہ من وعن نقل کر دیتے ہیں۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ طویل حدیث کے اثناء میں لکھتے ہیں:

ثم رجع الی عائشه فقال والله لكان ماءها نقاعة الحناء ولكان نخلها رؤس الشياطين قلت يا رسول الله افا خرجته، قال لا، اما انا فقد عافاني الله وشفاني و خشيت ان اثور على الناس منه شراً، و امربها فدفنتا

(صحیح بخاری، کتاب الطب باب السحر، رقم:۵۷۶۶)

پھر (حضور ﷺ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹ آئے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم !اس کنویں کا پانی ایسا تھا جیسے اس میں مہندی گھولی گئی ہو اور اس کے درخت ایسے (کریہہ المنظر) تھے جیسے شیاطین کے سر ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے کنویں سے وہ چیزیں نکال لیں آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اللہ نے مجھے عافیت اور شفا دیدی اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ لوگ اس سے شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ لہذا میں نے حکم دیا کہ انہیں دفن کر دو۔

حضور ﷺ نے جس خدشے کا اظہار فرمایا وہ کنویں میں جادو زدہ اشیاء نکالنے سے تھا اور ظاہر ہے کہ اس سے لوگوں میں اعتقادی طور پر شر اور فتنہ پھیلنے کا اندیشہ

ہوسکتا تھا۔ لیکن موصوف نے اس تصریح کے باوجود فتنے کے اندیشے کو لبید کے ترک قتل کے ساتھ جوڑ دیا جو کہ ہرگز مناسب نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ لبید کا معاملہ شاتم رسول کا معاملہ نہیں تھا جس کی وجہ سے اسے قتل کیا جاتا، بلکہ یہ معاملہ ایک ساحر کے قتل کا تھا۔

ائمہ اربعہ کے ہاں ساحر کا حکم

''فتح الباری'' میں اسی مقام پر ساحر کے مباح الدم ہونے پر ائمہ اربعہ کے نقطۂ نظر کو تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے، حسب ذیل مفصل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

قال ابن بطال لا يقتل ساحر اهل الكتاب عند مالك و الزهري الا ان يقتل بسحر تمقتل و هو قول ابي حنيفة و الشافعي و عن مالك ان ادخل بسحر ضرراعلى مسلم لم يعاهد عليه نقض العهد بذلك فيحل قتله ـــــــــ قال و عند مالك ان حكم الساحر حكم الزيديق فلا تقبل توبتة و يقتل حداًاذا ثبت عليه ذلك و به قال احمد و قال الشافعي لا يقتل الا ان اعترف انه قتل بسحره فيقتل به فان اعترف ان سحره قد يقتل

امام ابن بطال نے کہا، امام مالک اور امام زہری کے نزدیک اہل کتاب کے جادوگر کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ کسی کو جادو کے ذریعے قتل کر دے تو پھر اسے قتل کیا جائے گا اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے، امام مالک سے ایک قول یہ مروی ہے کہ اگر وہ اپنے جادو کے ذریعے کسی مسلمان کو ضرر دے تو اس کی وجہ سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کا قتل حلال ہو جائے گا ـــــــ ابن بطال نے کہا اور امام مالک کے نزدیک ساحر کا حکم زندیق کے حکم کی طرح ہے۔

و قد لایقتل و انه سحره و انه مات لم یجب علیه القصاص و وجبت الدیة فی ماله لا علی عاقلته و لا یتصور القتل بالسحر بالبینة و ادعی ابو بکر الرازی فی الاحکام ان الشافعی تفرد بقوله ان الساحر یقتل قصاصا اذا اعترف انه قتله بسحره و الله اعلم قال النووی ان کان فی السحر قول او فعل یقتضی الکفر کفر الساحر و تقبل توبته اذا تاب عندنا واذا لم یکن فی سحره مایقتضی الکفر عذر و استتیب

(فتح الباری: جلد۱۰، صفحہ۱۹۴)

لہذا اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جب یہ چیز اس سے ثابت ہو جائے تو اس کو حداً قتل کیا جائے گا امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔

اور امام شافعی نے کہا، اگر وہ اپنے جادو کے ذریعے کسی کے قتل کا اعتراف کرلے تو اس کا قتل کر دیا جائے پھر اگر اس طرح اعتراف کرے کہ اس کا جادو کبھی قتل کر ڈالتا ہے اور کبھی قتل نہیں کرتا اور اس نے اس پر جادو کیا اور وہ مر گیا تو اس پر قصاص واجب نہیں ہے بلکہ اس کے اپنے مال میں دیت واجب ہوگی۔ یہ دیت اس کے خاندان پر واجب نہیں ہوگی۔ جادو کی وجہ سے قتل کے ساتھ متصور ہی نہیں۔ امام ابوبکر رازی نے ''الاحکام'' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام شافعی اپنے اس قول میں کہ جادوگر کو قصاصاً قتل کیا جائے گا جب وہ یہ اعتراف کرے کہ اس نے اپنے جادو کے ذریعے اسے قتل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ امام نووی نے کہا اگر جادو میں ایسا قول و فعل ہو جو کفر کا تقاضا کرے تو اس کی وجہ سے جادوگر کافر ہو جائے گا۔

اور اگر وہ توبہ کرے تو ہمارے نزدیک اس
کی توبہ قبول ہوگی اور جب اس کے جادو
میں کفر کا تقاضا کرنے والی کوئی چیز نہ ہو
تو وہ معذور قرار دیا جائے گا اور اس سے
توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ موصوف نے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے لبید بن الاعصم کے ترک قتل کی وہ وجہ بیان کی جو متنِ حدیث سے مناسبت نہیں رکھتی۔ پھر اس کے قتل کا سبب اپنے وہم کے مطابق توہین رسالت قرار دیدیا، حالانکہ یہ ایک ساحر کا معاملہ تھا۔

سحر والی روایات میں تعارض ہے

یہاں یہ وضاحت کرنا بھی بے حد ضروری ہے کہ بعض متقدمین اور کئی متاخرین نے حضور ﷺ پر سحر والی روایات کو تسلیم نہیں کیا جس کے اسباب بے حد واضح ہیں۔ اولاً یہ روایات قرآن حکیم کی صریح نص کے خلاف ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا

(پ ۱۹، الفرقان: ۸۔۹)

ظالم لوگوں نے کہا کہ تم ایسے آدمی کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے دیکھو تو سہی اے نبی، یہ آپ کے لیے کس قسم کی مثالیں بیان کرتے ہیں یہ گمراہ ہو چکے ہیں اور صحیح راستے پر نہیں چل سکتے۔

اس آیت مبارکہ میں حضور ﷺ کو رجل مسحور قرار دینا ظالموں کا قول قرار دیا گیا ہے جو گمراہ ہو چکے ہیں اور صراط مستقیم پر چلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ادھر روایات سحر میں حضور ﷺ کو کھلے لفظوں میں سحر زدہ قرار دیا گیا ہے۔پھر یہ روایات باہم متعارض ہیں۔موصوف نے جو روایت پیش کی ہے اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ حضور ﷺ نے سحر زدہ اشیاء کو کنویں سے نہ نکالا۔جبکہ ''فتح الباری'' میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں ان چیزوں کے نکالنے کا ذکر موجود ہے۔اسی طرح جادو کے اثرات کے حوالے سے بھی ان روایات میں تعارض پایا جاتا ہے۔

اس مسئلہ پر قاضی عبدالدائم دائم نے اپنی معروف تالیف ''سید الوریٰ'' کی جلد سوم کے صفحات نمبر ۱۷۹ تا ۲۵۲ مفصل بحث کی ہے۔اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین اس مقام کو پڑھ سکتے ہیں۔

مجرم کو محیط ماحول اور حالات کی رعایت

اس عنوان کے تحت موصوف نے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ اگر کسی مخصوص کیفیت میں کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ دشمنی اور عداوت کی نیت سے دیدہ ودانستہ نہیں بلکہ مخاطب کی کسی بات پر بھڑک کر کوئی ایسا کلمہ کہہ دیا جو نبی کریم ﷺ کی توہین کو مستلزم تھا تو انہوں نے اس مخصوص صورت حال کی رعایت سے اسے سزا کا مستوجب نہیں سمجھا۔ اس حوالے سے موصوف نے مالک بن نویرہ کے قتل کو دلیل بنایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مالک کے قتل کیے جانے کی تائید سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہم نے نہیں کی تھی، حالانکہ اس نے جو جملہ کہا وہ واضح طور پر استخفاف کا جملہ تھا، لیکن چونکہ حضرت خالد بن ولید، مالک بن نویرہ کے حریف تھے اور ان کے ہاتھوں گرفتاری پر وہ ویسے ہی مشتعل تھا اس لیے اس نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ایسا انداز اختیار کیا کہ تلخی کا رخ نبی کریم ﷺ کی ذات کی طرف ہو گیا، اسی بات کی رعایت سے مذکورہ حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ اسے قتل کر دینا مناسب نہیں تھا۔

تاریخی روایات میں اضطراب

اول: تو اس واقعہ کے حوالے سے تاریخی روایات میں بے حد اضطراب پایا جاتا ہے۔ موصوف نے خود بھی تسلیم کیا ہے کہ مالک بن نویرہ نے نبوت کی داعیہ سجاح کا ساتھ دیا تھا اور زکوۃ ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ

نمٹنے کے لیے ان کی طرف روانہ کیا تھا۔

وعن حنظلة بن علی اللیثی ان ابابکر بعث خالداً وامرہ ان یقاتل الناس علی خمس، من ترك واحدة منهن قاتله کمایقاتل من ترك الخمس جمیعاً: علی شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً عبده ورسوله، واقام الصلاة، وایتاء الزکاة، وصوم رمضان، وحج البیت

(تاریخ الخلفاء:۷۵)

حضرت حنظلہ بن علی اللیثی سے منقول ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر روانہ فرماتے ہوئے امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق نے انہیں حکم دیا کہ پانچ چیزوں کی عدم تعمیل کی صورت میں لوگوں سے لڑائی کریں اور جو ان میں سے کوئی ایک شے بھی ترک کردے تو ان سے ویسے ہی لڑائی کریں جیسے ان تمام پانچوں کو ترک کرنے پر کی جاتی ہے۔ کلمہ طیبہ کے ترک کرنے پر، نماز کے ترک کرنے پر، روزوں کے نہ رکھنے پر، زکوۃ کے انکار پر اور حج بیت اللہ کے انکار پر۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی سرکوبی کے لیے خود امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی روانہ فرمایا تھا۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق مالک بن نویرہ جو کہ قبیلہ بطاح کا سردار تھا، وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خوف کی وجہ سے اپنے ارتداد سے وقتی طور پر تائب ہو گیا تھا اور اس نے مسلمانوں کے ساتھ نماز بھی ادا کی تھی، جس کی شہادت حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دی تھی، لیکن ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کئی لوگوں نے اس کے برعکس شہادت دی اور کہا کہ اس نے نماز ادا نہیں کی تھی اور نہ ہی اذان دی تھی۔

فشهد ابوقتادة۔ الحرث بن ربعی الانصاری۔ انهم اقاموا الصلاة، وقال آخرون : انهم لم یؤذنوا ولاصلوا (البداية والنهاية:۶ ۳۲)	حضرت ابو قتادہ حارث بن ربعی انصاری نے شہادت دی کہ انہوں نے نماز ادا کی جبکہ دیگر لوگوں نے کہا انہوں نے اذان دی نہ نماز ادا کی۔

اس کے بعد اکثر مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی کہ مالک بن نویرہ سمیت قیدیوں کو سردی لگ رہی ہے تو انہوں نے اپنے قافلے کو حکم دیا کہ وہ انہیں گرمی پہنچانے کا انتظام کریں۔

امام ابوجعفر محمد بن جری طبری ''تاریخ طبری'' میں لکھتے ہیں:

فلما اختلفوا فيهم امر بهم فحبسوا فی ليلة باردة لا يقوم لها شیء وجعلت تزدادبردا فامر خالد منادياً فنادى ادفئو اسراكم وكانت فی لغة كنانة اذا قالوا دثروا الرجل فادفئوه دفاه قتله وفی لغة غيرهم ادفه فاقتله فظن القوم وهی فی لغتهم القتل انه اراد القتل فقتلوهم فقتل ضرار بن الازور مالكا (تاریخ الطبری:۲۔۵۰۲)	جب ان کے بارے میں ان کا اختلاف ہوا تو آپ نے ان کو ٹھنڈی رات میں قید کرنے کا حکم دیا۔ سردی مزید بڑھنے لگی تو حضرت خالد نے منادی کو حکم دیا کہ وہ یوں ندا کرے کہ اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ اور لغت کنانہ میں جب وہ ''دفـــــاہ'' کہتے ہیں تو ان کی مراد قتل نہیں ہوتا تو جن لوگوں کی لغت میں ''دفـــاہ'' کا معنیٰ قتل ہے انہوں نے سمجھا کہ آپ نے قتل کا ارادہ کیا سو انہوں نے ان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ ضرار بن ازور نے مالک کو قتل کر دیا۔

اسی طرح ''سیف اللہ خالد بن الولید'' میں مذکور ہے:

اصبحت مشكلة مالك وليلى موضع جدل في التاريخ الاسلامي وكان البعض يستشهد بقول ابي قتادة بان قوم مالك قد اذنوا وان مالكا قد عاد الى الدين قبل ان يؤسر والبعض الآخر كان يقول بان خالداً لم يامر بقتل مالك قط۔ وكل ما في الامر ان خالداً عندما امر بحبس مالك واصحابه كان الليل بارداً، فامر خالد منادياً فنادى: ادفئوا اسراكم وكانت في لغة كنانة اذا قالوا دثروا الرجل فادفئوه دفاه قتله، وفي لغة غيرهم ادفه فاقتله فظن القوم وهي في لغتهم القتل انه اراد القتل نقتلوهم فقتل ضرار بن الازور مالكاً

(سيف الله خالد بن وليد:۲۰۰)

مالک بن نویرہ اور لیلیٰ کا معاملہ تاریخ اسلام میں جنگ وجدال کا سبب بن گیا کچھ لوگ ابو قتادہ کے قول سے یوں استشہاد کرتے ہیں کہ مالک بن نویرہ کی قوم نے اذان کہی اور مالک قید ہونے سے پہلے دین اسلام کی طرف واپس لوٹ آئے۔ دیگر کچھ لوگوں نے کہا کہ حضرت خالد بن ولید نے مالک کے قتل کا بالکل حکم نہیں دیا تھا خیر جو صورت بھی ہو لیکن حضرت خالد بن ولید نے جب مالک اور اس کے ساتھیوں کو قید کرنے کا حکم دیا اس وقت سرد رات تھی تو حضرت خالد نے منادی کو یہ ندا کرنے کا حکم دیا، اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ اور لغت کنانہ میں جب وہ یہ جملہ بولتے ''دثروا الرجل فادفئوه'' تو مقصد قتل سے بچانا ہوتا اور دیگر کی لغت میں اس کا معنیٰ قیدی کو قتل کرنا ہے تو لوگوں نے گمان کیا کہ آپ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ ان کی لغت میں معنیٰ قتل ہے سو انہوں نے ان کو قتل کر دیا اور ضرار بن ازور نے مالک کو قتل کر دیا۔

قبیلہ کنانہ کے لوگوں کے ہاں جو لغت رائج تھی اس کے مطابق انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو اس معنٰی میں لیا کہ قیدیوں کو قتل کر دیں۔

ابن کثیر کی ترجیح

جمہور مؤرخین نے مالک کے قتل کا یہی سبب بیان کیا ہے حتی کہ حافظ ابن کثیر نے بھی اسی سبب کو اہمیت اور ترجیح دی ہے:

ملاحظہ کریں:

فیقال ان الاساری باتوا فی کبولھم فی لیلة شدیدة البرد، فنادی منادی خالد: ان ادفئوا اسراکم، فظن القوم انہ اراد القتل فقتلوھم	کہا جاتا ہے کہ قیدیوں نے سخت سرد رات میں اپنے بیڑیوں میں رات گزاری پھر حضرت خالد کے منادی نے ندادی کہ اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ تو قوم نے گمان کیا کہ آپ نے قتل مراد لیا۔ سو انہوں نے ان سب کو قتل کر دیا۔
(البدایة والنھایة:۳۲۶)	

البتہ انہوں نے ''فیقال'' (یہ بھی کہا جاتا ہے) لکھ کر یہ دوسرا واقعہ بھی نقل کیا ہے جو ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور لیکن موصوف نے مالک کے سبب قتل کے طور پر اسے بالجزم اختیار کیا ہے اور ابن کثیر ہی کے بیان کردہ پہلے واقعہ کو بیان نہ کر کے یہ ثبوت دیا ہے کہ وہ مؤرخین و محدثین سے کوئی بات اخذ کرنے میں نہ تو ان کی بیان کردہ

ترجیح وتقدیم کا خیال رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کی طرف منسوب بات کو مکمل طور پر بیان کرتے ہیں اور یہ بات ہرگز ایک محقق کی شان کے لائق نہیں۔

دونوں روایات میں تطبیق

دوسری اہم بات اس حوالے سے یہ ہے کہ اگر حافظ ابن کثیر اور بعض دیگر مؤرخین کی طرف سے اس دوسرے واقعہ کو ہی بالجزم درست مان لیا جائے تو اس کی صورت حال یہ بنتی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس مالک بن نویرہ کی ارتداد سے توبہ کے حوالے سے دو مختلف نوعیت کی شہادتیں تھیں۔ لہذا جب انہوں نے سجاح کا ساتھ دینے اور زکوۃ ادا کرنے کے انکار پر مالک پر طعن وملامت کی اور اسے کہا کہ تم جانتے نہیں کہ زکوۃ کا حکم بھی نماز کے ساتھ دیا گیا ہے اس پر مالک نے کہا ''ان صاحبکم کان یزعم ذالك '' کہ تمہارا صاحب یعنی حضور ﷺ تو یہی زعم رکھتے تھے۔ (العیاذ باللہ) چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ ارتداد سے تائب نہیں ہوا بلکہ حضور ﷺ کو اپنا صاحب اور بعض روایات کے مطابق آقا (سید) ماننے سے انکار کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ضرار بن الازور کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ گویا یہ معاملہ شاتم کا ہرگز نہیں تھا بلکہ انکار رسالت اور ارتداد کا تھا، جس کی سرکوبی کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا گیا تھا۔ جہاں تک حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو انہوں نے چونکہ مالک کے نماز پڑھنے پر

شہادت دی تھی اس لیے وہ اس کے قتل کو ناحق سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سارا ماجرا بیان کیا اور مالک کی بیوی لیلیٰ سے شادی کرنے کا معاملہ بھی ان کے سامنے اُٹھایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شدید ردعمل

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی ہی نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ انہیں رجم کی سزا بھی دلوانا چاہتے تھے اور قتل ناحق پر ان سے قصاص بھی چاہتے تھے، جیسا کہ معتبر کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

وکان خالداً یرتدی قباءً له علیه صداً الحدید، وکان معتمراً بعمامة له قد غرز فیها اسهما۔ فلما ان دخل المسجد، قام الیه عمر فانتزع الاسهم من راسه فحطمها ثم قال: ارئاء قتلت امرءا مسلما ثم نزوت علی امراته والله لارجمنك بأحجارك

(سیف الله خالد بن ولید:۱۹۹)

حضرت خالد بن ولید اپنی قبا (لوہے کی زرہ) اوڑھتے تھے جس پر لوہے کا زنگ تھا اور آپ نے اپنی ایسی پگڑی پہنی تھی جس میں بہت سارے تیر جمع کر رکھے تھے پس جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ آپ کی جانب اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے سر سے تیر کھینچ کر انہیں توڑ دیا پھر کہا کیا تم نے ریاکاری کے لئے ایک مسلمان کو قتل کیا پھر اس کی بیوی سے جفتی کی۔ خدا کی قسم میں تمہیں پتھروں کے ساتھ سنگسار کروں گا۔

لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے کسی بھی مطالبے کو تسلیم نہ فرمایا یہاں تک کہ جب انہوں نے بتکرار حضرت خالد بن ولید کی معزولی کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوٹوک طریقے سے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک تلوار کو میان میں بند نہیں کر سکتا جسے اس نے کفار پر چلا رکھا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ملتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قتل کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی قرار دیا تھا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی مالک بن نویرہ کے نماز پڑھنے پر شہادت کو بھی اہمیت دیتے تھے لیکن آپ یہ سمجھتے تھے کہ اسے مرتد سمجھنے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی، اسی لیے انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سزا دینا تو در کنار انہیں معزول کرنا بھی پسند نہ فرمایا بلکہ ان کو سمجھا بجھا کر دیگر مہمات پر روانہ فرما دیا اور جب مالک کا بھائی متمم بن نویرہ ان کے پاس مالک کے قتل کی شکایت لے کر حاضر ہوا تو انہوں نے اپنے پاس سے اس کی دیت ادا فرما دی۔

اس واقعہ سے یہ استدلال کہ یہ شتم رسالت کا واقعہ تھا کسی بھی مؤرخ نے نہیں کیا۔ البتہ یہ ارتداد اور ارتداد سے توبہ کا معاملہ ضرور تھا۔ جمہور مؤرخین کے نزدیک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ سمیت تمام قیدیوں کو گرمی پہنچانے کا حکم دیا

تھا جسے غلط سمجھتے ہوئے ان قیدیوں کو قتل کر دیا گیا جبکہ موصوف کے اختیار کردہ قول کے مطابق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے مرتد سمجھتے ہوئے ہی قتل کیا جس کا سبب اس کا ارتداد پر قائم رہنا تھا نہ کہ شتم رسول کا ارتکاب، اس کے جملوں سے اگرچہ استخفاف بھی ظاہر ہو رہا تھا لیکن انکار رسالت نمایاں تھا جس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اسے مرتد سمجھنا اور قتل کرنے کا حکم دینا قابل فہم ہے۔ دوسری طرف حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا ان کے اس اقدام کو غلط قرار دینا ان کی اپنی شہادت کے تناظر میں درست قرار پاتا ہے۔ قاضی عیاض نے "الشفاء" میں اس واقعہ کو ابراہیم بن حسین بن خالد فقیہ کے حوالے سے شتم رسالت کے ضمن میں لکھا ہے لیکن "الشفاء" کے شارح حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مذکورہ فقیہ کے استدلال کو درست قرار نہیں دیا۔

والقضية غير صافية عما يرد عليه من بعض الاشكال والله تعالىٰ اعلم بالاحوال فلا يصح احتجاج الفقيه بهذا مع وجود الاحتمال	یہ حکم اپنے اُوپر وارد ہونے والے بعض اشکالات سے خالی نہیں ہے، باقی احوال کو اللہ تعالیٰ بہت جانتا ہے۔ لہذا وجودِ احتمال کے ساتھ فقیہ کا اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(شرح الشفاء: ۳۹۵)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معتبر اہل علم میں سے کسی نے بھی اس واقعہ کو شتم رسالت کے ضمن میں نہیں لیا جبکہ اس واقعہ سے جڑی ہوئی روایات پر اضطراب اظہر من الشمس ہے۔ لہذا اسے کسی حکمت کی تائید میں بطور دلیل لانا ہرگز مناسب نہیں۔

مسیحیوں کے مطالبہ کی حقیقت

پھر موصوف نے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے جس کی رو سے فتح اسکندریہ کے موقع پر کسی مسلمان سپاہی کے پھینکے ہوئے تیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر کی ایک آنکھ پھوٹ گئی تو مسیحیوں نے مطالبہ کیا کہ وہ بدلے کے طور پر حضرت محمد ﷺ کا مجسمہ بنا کر اس کی آنکھ پھوڑنا چاہتے ہیں تاہم اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت عمرو بن العاص نے قصاص کے لیے اپنی آنکھ پیش کر دی جس پر مسیحیوں نے متاثر ہو کر مسلمانوں کی یہ غلطی معاف کر دی۔

یہاں موصوف کا فہم قابل ترس دکھائی دیتا ہے۔ غلطی مسلمانوں سے ہوئی اور مسیحیوں نے اسے اسلامی لشکر کے سپہ سالار کا جذبہ دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو معاف کر دیا۔ موصوف نے مسیحیوں کے مطالبے کو توہین رسالت قرار دیدیا جبکہ یہ مطالبہ انتقامی طور پر کیا گیا تھا اور مسلمانوں کی غلطی جو عملاً سرزد ہوئی تھی اس کو لائق التفات ہی

نہیں سمجھا۔ انہوں نے یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی کہ اگر عیسائیوں کے مطالبے پر حضور ﷺ کا مجسمہ بنایا جاتا تو وہ کون بناتا؟ صاف ظاہر ہے کہ مسلمان تو ہرگز نہ بناتے اگر بفرض محال عیسائی ایسا مجسمہ تیار کر بھی لیتے تو اس کی کیا حیثیت ہوتی۔ پھر مجسمے کی آنکھ پھوڑنا وہ بھی انتقاماً کیا، معاذاللہ حضور ﷺ کی آنکھ پھوڑنے کے مترادف ہو سکتا ہے؟ دراصل ان کا مطالبہ ہی مبہم اور غیر معقول تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے کی آنکھ پھوڑنے کو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریض سمجھتے بھی تھے تو اس کی سزا اس مسلمان کو دی جاسکتی تھی جس نے ایسا کیا، نہ کہ حضور ﷺ کا مجسمہ تیار کرنے کا گناہ کیا جاتا اور اس مجسمے کی آنکھ پھوڑ کر بدلہ لیا جاتا۔ الغرض مسلمانوں نے اس واقعہ میں حکمت عملی کے ساتھ معافی تلافی کی سبیل نکالی لیکن موصوف اس سے مسلمانوں کا اخلاق کریمانہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک ایسا عمل جو وقوع پذیر ہی نہیں ہوا تھا مخصوص حالات کے تناظر میں انتقاماً اس کے ارادے کے اظہار کو توہین رسالت قرار دے رہے ہیں۔ اگر کوئی مسیحی ان سے یہ سوال کر ڈالے کہ یہ دوہرا معیار کیونکر تو وہ اس کا جواب کیا دیں گے؟

الحاوی کے اقتباسات کی تنقیح

اس کے بعد انہوں نے امام سیوطی کی ''الحاوی'' سے چند اقتباسات نقل کیے جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جوش کی کیفیت میں سبقت لسانی کے عذر کو توہین رسالت کے باب میں قبول کیا ہے اور ایسے شخص کو سزا نہ دینے کا مؤقف ظاہر کیا ہے۔

انہی کے حوالے سے انہوں نے مزید لکھا ہے کہ اگر کوئی صالح العقیدہ شخص انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کوئی توہین آمیز کلمہ کہہ بیٹھے تو ایسے آدمی کی لغزش سے درگزر کرنا چاہیے۔ ایک اور صورت بھی انہوں نے امام سیوطی کے حوالے سے بیان کی ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی بات کہہ دے جسے وہ اپنی دانست میں توہین و تنقیص نہ سمجھتا ہو تو بھی اسے قتل کرنے کی بجائے کوئی اور تعزیری سزا دے کر توبہ اور رجوع کا موقع دیا جائے۔

درست ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے یہ بات ابن رشد اور ابن الحاج کے حوالے سے بیان کی ہے۔ ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ امام سیوطی رحمہ اللہ شافعی ہیں اور کئی شوافع گستاخ رسول کی توبہ کی قبولیت کے ویسے ہی قائل ہیں۔ لہذا ان مخصوص صورتوں کا بیان کرنا ان کے حوالے سے محض تکلف ہی نظر آتا ہے جبکہ ابن الہمام جیسے

حنفی فقیہہ سبقت لسانی کے عذر کو نہیں مانتے، اسی طرح یہ بات بھی بڑی عجیب محسوس ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اہانت کے حوالے سے صالح العقیدہ شخص اور عام شخص کے مابین فرق کیا جائے۔

اُصولاً اس رعایت کا مستحق تو جاہل اور اجڈ شخص کو ہونا چاہیے (اگر چہ ہماری دانست میں یہ بھی درست نہیں اور ہم اس کی وضاحت بھی کر چکے ہیں) لیکن پڑھے لکھے، سمجھدار اور مقام رسالت سے آشنا شخص کو توہین آمیز کلمات کہنے کی بنا پر رعایت دینے کا کیا جواز ہے؟ یہ بات کم از کم ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ اسی طرح اگر توہین کرنے والے کی اپنی دانست کا اعتبار کیا جائے تو توہین رسالت کا کوئی بھی مجرم یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے یہ کلمات توہین و تنقیص کے لیے ادا کیے ہیں۔ جس طرح کافر کا اپنے کفر سے مطلع اور باخبر نہ ہونا اور اپنے کلمات کفر کو وجوہ کفر نہ سمجھنا بالاتفاق اسے کفر سے نہیں بچا سکتا اسی طرح شاتم کا بھی معاملہ ہے، ضروری نہیں کہ شاتم اپنے کلمات توہین و تنقیص کو سبب توہین و تنقیص بھی سمجھتا ہو۔

لہذا جو مخصوص صورت حال انہوں نے اس حوالے سے بیان کی ہے وہ ان کے اخذ کردہ نتیجے سے بھی مختلف ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے جس صورت کا ذکر کیا ہے وہ ایک شرطیہ صورت ہے جس میں ایک شخص مشروط طور پر نبی یا فرشتے کو بُرا بھلا

کہنے کا ارادہ ظاہر کر رہا ہے اور شرط بھی ایسی کہ جس کے وقوع پذیر ہونے کا سرے سے ہی کوئی امکان نہیں ہے۔ لہذا یہ ایک علمی بحث تو ہے لیکن شاتم رسول کی سزا کے معاملہ میں اس سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ امام جلال الدین سیوطی کا مختار یہی ہے کہ گستاخ رسول کو حداً موت کی سزا دی جائے گی اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

وان ساب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او غیرہ من الانبیاء یقتل حتما جداً ولو تاب لم یسقط عنہ القتل کسائر الحدود (التحدث بنعمۃ اللہ :۱۶۴)

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی گستاخی کرے اسے قطعی طور پر قتل کیا جائے گا اگر وہ توبہ کر لے تو دیگر حدود کی طرح حد قتل ساقط نہیں ہوگی۔

البانی کی تصریح کا جائزہ

اس کے بعد موصوف نے علامہ ناصر الدین البانی کے حوالے سے جو بات لکھی ہے اس کا اطلاق البانی نے خود صرف کفر پر کیا ہے نہ کہ شتم رسالت پر جیسا کہ ان کی اپنی عبارت میں بھی تصریح موجود ہے۔

فھذا دلیل ان ذلك لم یخرج عن قصد منہ للکفر

یعنی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلمہ کفر کے ارادے سے اس کی زبان سے نہیں نکلا تھا۔

(تنبیہ الغافلین از ابو بصیر الطرطوسی:۴۰)

لیکن موصوف کا کیا کیا جائے کہ وہ اپنی مطلب براری کے لیے محض کفریہ کلمات کو بڑی آسانی کے ساتھ کلمات شتم وتنقیص میں بدل دیتے ہیں۔

یہاں پر ان کی بیان کردہ حکمتوں اور مصلحتوں کا ذکر ختم ہوا جن کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے بقول توہین رسالت کے مجرم کو سزا سے بچایا جا سکتا ہے۔ہم نے ان بیان کردہ حکمتوں کا شرع شریف اور تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روشنی میں تفصیلی جائزہ قارئین کی نذر کر دیا ہے تا کہ احقاق حق میں مدد مل سکے۔

تمت بالخیر